www.urducouncil.nic.in

جنوری 2017، قیمت:- /10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

یوم جمہوریہ مبارک

سائنس پر خصوصی شمارہ

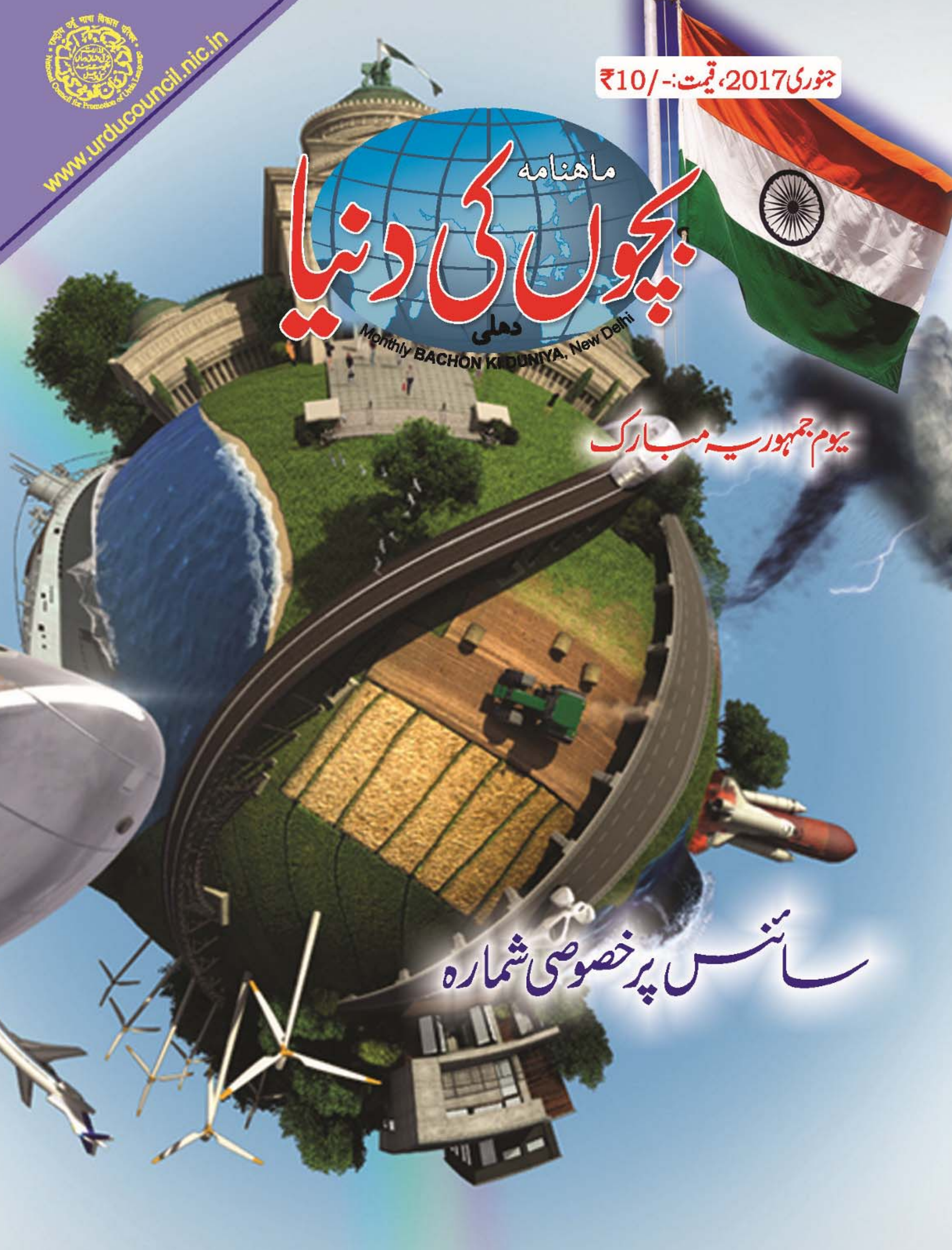

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے :اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

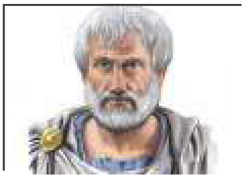

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
یوم جمہوریہ	26 جنوری	حنیف کیفی	06
	ساری دنیا سے اچھا ہے۔۔	ریاض انور بلڈانوی	07
جہانِ سائنس			
	ارسطو.....	بلراج پوری	08
	پاپچر		11
	سام علی	احرار حسین	15
	کاغذ کی کہانی	بنسی ر. یادو	17
	بادشاہ تُوتن خموں کا آسمانی...!	انیس الحسن صدیقی	19
	نیشنل سائنس سنٹر کی سیر	محمد خلیل	22
نظمیں	سردی آئی، شاپنگ کر لیں	خاور نقیب	26
	نیا سال	عبدالرزاق دل	27
	سردی اور سوئیٹر	سید اسید علی تابش	28
کہانیاں	میں افسر بنوں گا	اسلم جوداں	31
	پیٹ ہڑتال پر	طہٰ نسیم	34
	ماں کی زندگی	عبدالخالق	36
قسط وار داستان	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	39
کتابوں کی سیر	بچوں کا کتب خانہ	عبدالرشید اعظمی	50
کہکشاں	آؤ اردو سیکھیں	روپ کرشن بھٹ	52
	الفاظ کا سفر	حسن نظامی کیرانوی	53
	الفاظ کی تلاش		54
	پہیلیاں	قاضی عفیفہ ناز توصیف احمد	54
	ہماری زبان		55
	ہنسی کے غبارے		57
	رنگ	صالحہ صدیقی	58
ننھے فنکار	شریف اور دیو	انصری نورافشاں	59
	لالچی آدمی	انس منصور	60
	بچوں کی پینٹنگ		61
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

بچوں کی دنیا

جلد: 5 شمارہ: 1 جنوری 2017

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/ روپے، سالانہ 100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈ بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! بچوں کی دنیا کا تازہ شمارہ حاضر ہے، جو سائنس پر مرکوز ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ موجودہ دور سائنس کا ہے اور ہر روز سورج نئی سائنسی تحقیقات اور ایجادات کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، سائنس کی ہی دین ہے کہ آج دنیا اس قدر ترقی کر چکی ہے اور انسان مریخ اور دیگر سیاروں پر بستیاں بسانے کی سوچ رہا ہے۔ سائنس کی ہی وجہ سے آج مختلف مشینیں وجود میں آئیں جن سے انسانوں کے کام آسان ہو گئے۔

سائنس لاطینی لفظ (Scientia) سے بنا ہے جس کا مفہوم سچائی کا، حقیقت کا اس کی اصل شکل میں مطالعہ کرنا ہے یا اس کے بارے میں پتہ لگانا ہے۔ سائنس مختلف حقائق، اجزا، اشیا کے ہونے اور نہ ہونے پر سوال اٹھاتی ہے اور پھر اس سوال کے جواب تلاش کرنے کے عمل کو سائنسی طریقہ کار کہا جاتا ہے۔ سائنس ہماری روز مرہ کی زندگی کا اہم حصہ بن چکی ہے۔ ہمارے چاروں طرف جس طرح سے سائنسی عمل جاری ہے ان کا جاننا ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔ اس طرح قدرت کی اس کائنات کو جاننے اور سمجھنے میں بھی سائنس معاون ہوتی ہے۔ سورج، چاند، زمین، سیارے اور خلا کی نئی نئی دریافتیں سائنس کی ہی مرہون منت ہیں۔ سائنس کے راستے پر چلنے کے لیے سب سے پہلا مرحلہ سوال اٹھنے کا آتا ہے۔ کوئی بھی عمل کیوں ہو رہا ہے۔ اسی کیوں اور کیسے کے جواب ڈھونڈنے میں لوگوں کو برسوں لگ گئے اور بعد میں جب وہ جواب تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بڑے اور عظیم سائنس داں کہلائے۔

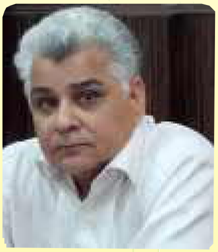

سائنس بذات خود بڑا ہی دلچسپ موضوع ہے۔ سائنس جب آپ پڑھیں گے تو آپ کو بھی کچھ نیا کرنے، نیا بنانے کی خواہش ہوگی، اور آپ بھی اس سلسلے میں کوشش کر سکتے ہیں۔ گھر میں رکھی چھوٹی موٹی چیزیں بھی سائنسی تجربات میں معاون ہو سکتی ہیں۔ سائنس کے میدان میں آگے بڑھنے کے لیے دو چیزیں تجسس اور اشتیاق بہت ضروری ہیں۔ آپ میں اگر چیزوں کو جاننے، سمجھنے کا تجسس ہے تو سمجھ لیں کہ آپ کے اندر سائنس داں بننے کی خوبیاں موجود ہیں، بس ان خوبیوں کو ذرا مہمیز کرنے کی ضرورت ہے۔

فون، گھڑیاں، موبائل، کمپیوٹر، بجلی کا بلب، پنکھے، پٹرول، ڈیزل، گاڑیاں، ریڈیو، ٹی وی، دوائیں، جدید علاج سب کچھ سائنس کی دین ہیں۔ آپ ذرا تصور کریں کہ اگر یہ ساری چیزیں آپ کی زندگی سے ہٹا دی جائیں تو کیا ہوگا۔ کیا آپ ان کے بغیر زندگی کا تصور کر سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ آپ یہ بھی کہیں گے کہ پہلے کے لوگ یہ سب نہیں استعمال کرتے تھے اور زندہ رہتے تھے لیکن پہلے کے دور میں اور اب کے طرز زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اب ہم ان چیزوں کے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ یہ ساری آسانیاں ہمیں سائنس نے دی ہیں اور سائنس یا سائنسی تحقیق کی ہر قدم پر ضرورت ہے۔ ہم سائنس کے بغیر کچھ بھی نہیں۔

'بچوں کی دنیا' کے اس شمارے میں ہم نے سائنس اور اس سے متعلقہ موضوعات پر کچھ مضامین شامل کیے ہیں۔ ان کا مقصد آپ سب میں سائنس کے لیے دلچسپی پیدا کرنا ہے۔ کائنات کے بہت سارے راز اور عمل اب بھی پوشیدہ ہیں اور انسانیت کی بقا کے لیے ابھی بھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اگر آپ میں سے کسی نے بھی ہماری اس کوشش کے بعد سائنس میں دلچسپی لینی شروع کی تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری کوشش کامیاب ہوگئی۔

نئے عیسوی سال 2017 اور یوم جمہوریہ کی ڈھیر ساری مبارکباد، خدا کرے کہ نیا سال آپ کے لیے ڈھیر ساری کامیابیاں لے کر آئے اور آپ سب ہر میدان میں نئی تاریخ رقم کریں۔ بچوں کی دنیا کو آپ کے تاثرات کا انتظار رہے گا۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

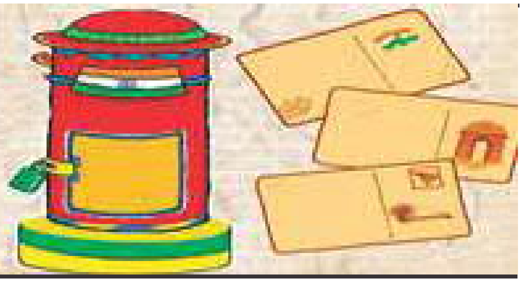

’بچوں کی دنیا‘ ہر ماہ پابندی سے موصول ہو رہا ہے جس سے گھر کے سب ہی افراد لطف اندوز ہو رہے ہیں، گھر کے بچے ہنسی کے غبارے اور پینٹنگ ضرور دیکھتے ہیں، نومبر 2016 کا شمارہ زیر مطالعہ ہے، کوشش، بچوں کا دن، مولانا ابوالکلام آزاد عمر چھوٹی کام بڑے، ناکامیابی کامیابی کا پہلا زینہ ہے، علم کی دھار تیز کرو، حقیقی خوشی، مضامین اور نظموں میں بچوں کی دعا، پکنک، عہد بچپن، دولت علم، بے حد پسند آئی جس سے بچوں میں علم کی اہمیت اور محنت ولگن کا جذبہ پیدا ہوگا۔ مضمون نگاران واقعی قابل مبارک باد ہیں۔

محمد تنویر رضا برکاتی، ڈائرکٹر برکاتی مشن برہان پور شریف، مدھیہ پردیش

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ نومبر 2016 موصول ہوا۔ بچپن میں ’کھلونا‘ پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک کسی اچھے رسالے کا خلا محسوس ہوا۔ شکر ہے کہ اب اس ماہنامے سے یہ خلا پُر ہوگیا جو بڑی خوش آئند بات ہے۔ ’آپس کی باتیں‘ پڑھ کر سر احترام سے جھک گیا۔ اس کے تمام ہی مضامین پسند آئے۔ فیس بک کی معصوم باتیں تو پڑھتے ہی بنتی ہیں۔

مصطفی ندیم خاں غوری، B-11، گرین ویلی، روضہ باغ، اورنگ، مہاراشٹر

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ واقعتاً غیر معمولی خصوصیت کا حامل ہے، میں پابندی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرتا ہوں اور اس سے مستفید ہوتا ہوں، اس میں ایسی ایسی عمدہ نظمیں، دلچسپ کہانیاں اور خوب صورت تصاویر ہیں جو بہت جلد اذہان وقلوب کو اپنی طرف مائل کر لیتی اور اپنا گرویدہ بنا لیتی ہیں۔

منور حسین پورنوی، جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، اعظم گڑھ، یوپی

امید کہ بخیر ہوں گے۔ ’بچوں کی دنیا‘ تواتر سے زیر مطالعہ ہے۔ دن بہ دن اس میں نکھار آتا جا رہا ہے۔

ملیحہ فاطمہ، نواب پورہ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ ادب اطفال میں ایک بے مثال رسالہ ہے۔ اس کا کاغذ، طباعت، مصوری، نفاست اور تخلیق کی شمولیت سب کچھ بچوں کے نفسیات کے عین مطابق ہے اور یہ بین الاقوامی معیار پر کھرا ہے اس کے معیار کے لیے آپ بجا طور سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر سید صفدر رضا کھنڈوی، چمن تارا منزل، موگھٹ روڈ، مدھیہ پردیش

26 جنوری

ہر شے پہ ہے جوانی ہر رخ پہ تازگی ہے
رنگینیوں کا حاصل چھبیس جنوری ہے
ہر اک خوشی سمٹ کر دامن میں آگئی ہے
ہر قیدِ رنج و غم سے آزاد زندگی ہے
دل کی ہر اک تمنا مستی سے جھومتی ہے
جامے سے آج باہر ہر ایک آدمی ہے
تاریکیاں سمٹ کر معدوم ہوگئی ہیں
جس سمت دیکھتا ہوں اس سمت روشنی ہے
مستی بھری ہوا نے غنچے کھلا دیے ہیں
چاروں طرف فضا میں خوشبو بکھر گئی ہے
دیکھو افق پہ چمکا وہ صبح کا ستارہ
جاگو کہ آج قسمت بھارت کی جاگ اٹھی ہے
سب مل کے آج گاؤ جمہوریت کے نغمے
راجا کوئی نہ پرجا یکساں ہر آدمی ہے
آؤ اب ایک ہوکر ہم سب خوشی منائیں
تھا انتظار سب کو جس کا یہ وہ گھڑی ہے
قلب و نظر کی جنت چھبیس جنوری ہے
سرمایۂ مسرت چھبیس جنوری ہے

■

Prof. Hanif Kaifi
A-47, Zakir Bagh
Okhla Road, Near Surya Hotel
New Delhi - 110025

رياض انور بلڈانوى

ساری دنیا سے اچھا ہے میرا ہندوستان

سورج سب سے پہلے چومے جس دھرتی کا ماتھا
جہاں کے ویروں کی دنیا بھر میں مشہور ہے گاتھا
جس کے پہاڑوں کی اونچائی چھولے آسمان
ساری دنیا سے اچھا ہے میرا ہندوستان

جہاں پہ جنمے ویر شیوا جی ٹیپو جیسے جیالے
جس دھرتی پر ساتھ ساتھ ہیں مندر اور شوالے
جہاں پہ ہوتا ہے مہمانوں کا آدر سمّان
ساری دنیا سے اچھا ہے میرا ہندوستان

جہاں کے گیانی عالم پنڈت جگ کے علم کے دھارے
رام کرشن نانک اور چشتی صوفی سنت ہمارے
جس دھرتی سے پھیلا جگ میں سارا علم اور گیان
ساری دنیا سے اچھا ہے میرا ہندوستان

جس دھرتی کے حسن کے ساری دنیا میں ہیں چرچے
پھول کھلیں چپّے چپّے پر جہاں ہیں باغ بغیچے
جس دھرتی کو ساری دنیا سمجھے سورگ سمان
ساری دنیا سے اچھا ہے میرا ہندوستان

■

Riyaz Anwar
New Ahsan Kirana
Joharnagar
Buldana - 443001 (Maharashtra)

بلراج پوری

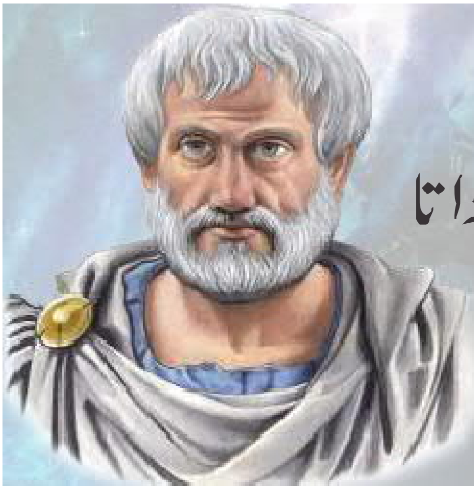

ارسطو..... مغربی سائنس کا جنم داتا

(پ: 384 قبل مسیح، و: 322 قبل مسیح)

سائنس کا جنم کہاں ہوا، کب ہوا اور کس نے کیا؟

پہیہ سائنس کی سب سے بڑی ایجاد..... کا موجد کون تھا؟ سب سے پہلے آگ کس نے جلائی تھی؟ ہندسے کس نے بنائے؟ صفر، جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کی دریافت کس نے کی؟

تاریخ داں کا جنم سائنس داں کے بہت بعد ہوا۔ زبان بھی سائنس کے بعد پیدا ہوئی لیکن سائنس کے بہترین دماغوں اور انسانیت کے بہترین محسنوں کے نام سے واقفیت عام نہیں۔

آج سائنس نے اتھاہ سمندر کی جو شکل اختیار کی ہے، اس میں ہر ملک کی حیثیت زمانے کے ندی نالے کی سی ہے۔ مگر جب مرکزی لہر کے منبع کی طرف بڑھنا شروع کریں تو یونانی علم کا سرچشمہ نمایاں نظر آتا ہے۔

ہندوستان میں بھی کئی ارسطو اور ارشمیدس پیدا ہوئے۔ عرب نے سقراط کے ہم پلہ فلاسفروں کو جنم دیا ہوگا۔ چین اور مصر کی پرانی تہذیبوں کے کھنڈرات بھی اس زمانے کی سائنس اور سائنس دانوں کے کارناموں کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

مگر جس مغربی سائنس کا آج ہم مطالعہ کرتے ہیں، اس کا براہِ راست رشتہ صرف یونان کے ارسطو سے ہی ملتا ہے۔ سائنس کا وجود ارسطو سے پہلے بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ مگر اسے توہم پرستی اور مذہب سے الگ ایک باقاعدہ علم کا درجہ حاصل نہ تھا۔ ارسطو کے بعد سائنس نے جو ترقی کی، اس کی راہوں کے کئی سنگ میل اسی نے بنائے تھے۔

افلاطون کے شاگرد اور سکندر اعظم کے استاد کے طور پر ارسطو اپنی زندگی میں ہی یونانی تہذیب کے وسیع دائرے میں ممتاز ترین عالم شمار ہوتا تھا۔ اس کی پیدائش حضرت عیسیٰ سے 384 سال پہلے مقدونیہ کے ایک شہر میں ہوئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے ایتھنس میں افلاطون کی شاگردی قبول کی۔ یونانی فلاسفر شاگرد کی ذہانت سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسے ذہانت کا مجسمہ قرار دیا۔

نوجوان طالب علم نے اپنی ساری آبائی دولت اپنے وقت کا سب سے بڑا کتب خانہ بنانے پر خرچ کر دی۔ اس کتب خانے کی سب کتابیں ہاتھ سے لکھی ہوئی تھیں کیونکہ اس وقت تک چھاپہ خانہ ایجاد نہیں ہوا تھا۔

ارسطو کو اپنی زندگی شروع کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ

آئی۔ پڑھائی ختم کرتے ہی ان کے پاس کئی شہزادے تعلیم حاصل کرنے کے لیے آنے لگے۔ ان میں ایک شاگرد ہرمیاس نے تخت نشینی کے بعد اپنے استاد کو اپنے دربار میں شامل ہونے کی دعوت دی اور اظہار عقیدت کے طور پر اس سے اپنی بہن کی شادی کر دی۔

ارسطو کی شہرت تھوڑی ہی مدت میں اتنی پھیل گئی کہ اس زمانے کا سب سے بڑا بادشاہ فلپ جب 344 قبل مسیح میں اپنے بیٹے اور مستقبل کے سب سے بڑے فاتح سکندر کے لیے دنیا کے سب سے بڑے معلم کی تلاش میں تھا تو اس کی نگاہ انتخاب ارسطو پر ہی پڑی۔

ادھر سکندر اعظم نے اپنی فتوحات کے ذریعے چھوٹی چھوٹی ملکوں کو ایک سیاسی نظام میں پرونا شروع کیا ادھر فلاسفر ارسطو نے ذہنی میدان میں اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور سارے علوم و فلسفہ کی ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کی مگر جہاں فوجی حاکم کی سلطنت کو منتشر ہونے میں زیادہ عرصہ نہ لگا، انسانی ذہنوں پر خاص کر یوروپ میں فلاسفر کا لگ بھگ مکمل تسلط کم از کم پندرہ صدیوں تک جاری رہا۔

ارسطو کی تعلیمات کا اثر پندرہویں صدی میں ایک نئے ذہنی انقلاب کی صورت میں ایک بار پھر نمودار ہوا، جب قسطنطنیہ پر ترکی کے قبضے کی وجہ سے یونانی عالم ارسطو کی تحریروں سمیت یوروپ بھاگنے پر مجبور ہوئے، ان کے مطالعے سے یوروپ میں جو فکری تحریک جاری ہوئی اسے احیائے علوم کا نام دیا گیا، جس کا براہ راست نتیجہ موجودہ سائنس اور ادب ہیں۔ یقیناً کسی ایک دماغ نے انسانی ذہنوں پر اتنے لمبے عرصے کے لیے بھی حکومت نہیں کی۔

ارسطو نے 53 سال کی عمر میں اپنا اسکول شروع کیا۔ جس کے قاعدے طلبا خود بناتے تھے ہر دس دن کے بعد وہ اپنے نگراں کا انتخاب کرتے تھے۔ اس اسکول میں سائنس کے دیگر

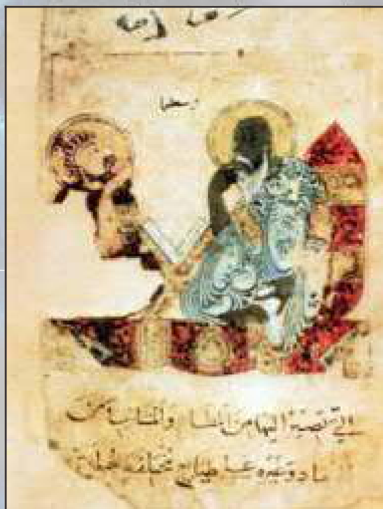

مضامین کے علاوہ نباتات اور حیوانیات کے مطالعے کے خاص انتظامات تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایشیا اور یونان میں تقریباً ایک ہزار آدمی نباتات اور حیوانات کے نمونے جمع کرنے پر معمور تھے۔ ارسطو کے کہنے پر ہی سکندر نے دریائے نیل کے سیلابوں کی وجوہ کی کھوج کرنے کے لیے ایک مہم بھیجی تھی۔ سائنسی تحقیق کے لیے اس سے پہلے اس پیمانے پر انسانی اور مادی ذرائع کا کبھی استعمال نہیں ہوا۔

ارسطو سیکڑوں کتابوں کا مصنف تھا۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد چار سو اور دوسرے اندازے کے مطابق ایک ہزار ہے۔ یہ سب کتابیں سائنس پر ہیں۔ اس نے ادب اور فلسفے کے بیشتر مضامین پر بھی اپنا قلم چلایا تھا۔

ارسطو نے کوئی نمایاں نئی سائنسی ایجادیں نہیں کیں اور نہ ہی سائنس کے کوئی دیرپا قوانین پیش کیے۔ یونان میں غلاموں کی سستی مزدوری دستیاب ہونے کی وجہ سے سائنس دانوں کو کوئی مشینیں ایجاد کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ تجربے کے لیے آلات کی عدم موجودگی میں سائنس کے جو قوانین ارسطو نے پیش کیے وہ سب کے سب بعد کے تجربات اور تحقیقات کی روشنی میں کھرے ثابت نہیں ہوئے مگر

سائنس پر ایک شخصیت کی اتنی مضبوط گرفت سے گھبرا کر تیرھویں صدی کے سائنس داں راجر بیکن نے اعلان کیا ”اگر میرا بس چلے تو میں ارسطو کی سب کتابیں جلا دوں“ مگر ارسطو کی طے شدہ روایات کے خلاف آواز اٹھانے پر حاکمان وقت نے اسے چودہ برس کی قید تنہائی دی، جہاں اس نے سسک کر جان دی۔

سائنس محض مشینوں کی ایجاد کا نام نہیں بلکہ سائنس سوچنے کا ایک طریقہ بھی ہے۔ اس لحاظ سے ارسطو کے عظیم سائنس داں ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا کیونکہ ارسطو نے منطق کی جس سائنس کو جنم دیا، اس نے آنے والی نسلوں کے لیے سوچنے کے ضابطے اور ذہنی ڈسپلن کا ایک معیار پیش کیا۔ موجودہ سائنس کی بیشتر اصطلاحات وضع کرنے میں بھی اس کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ اس کے علاوہ سائنس کے میدان میں باقاعدہ مشاہدہ اور تجربہ کا رواج بھی ارسطو نے ہی ڈالا۔

حیوانات اور نباتات کی اَن گنت قسموں کو اپنی تجربہ گاہ میں جمع کرکے ارسطو نے کچھ ایسے مشاہدے کیے، جنھیں آج کی سائنس بھی درست مانتی ہے۔ چنانچہ اس نے بے جان چیزوں سے لے کر جاندار مخلوق کی مختلف اقسام کو ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں قرار دیا۔ جس کے مطابق بندر چار پائے اور انسان کی درمیانی کڑی ہے۔ یہی اصول دو ہزار سال بعد ڈارون کے مسئلہ ارتقا کا بنیادی اصول بنا۔ ارسطو کا علم حیوانی زندگی کے بیرونی پہلو تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ پہلا سائنس داں تھا، جس نے جانوروں کو چیر پھاڑ کر کے ان کی اندرونی بناوٹ کا مطالعہ کیا۔ انسان کی موروثی خصوصیات کے بارے میں اس نے چند ایسے نکات ابھارے جن پر آج بھی سائنس داں اپنا دماغ کھپا رہے ہیں۔

ارسطو کی عظمت کا یہ عالم تھا، کہ اس کی غلط باتیں بھی صدیوں تک عقیدہ کے طور پر قبول کی گئیں۔ اس کی عظمت سائنس کی مزید ترقی کی راہ میں دیوار بن گئی۔ 1600 عیسوی میں برونو کو اس لیے زندہ جلا دیا گیا کہ اس نے نظام شمسی کے بارے میں ارسطو کے خیالات کی تردید کی تھی۔ چالیس سال بعد گیلیلیو کو اس وجہ سے موت کے گھاٹ اتارنے کی دھمکی دی گئی کہ اس نے ارسطو کے اس قول سے اتفاق نہیں کیا تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد گھومتا ہے۔ جب کیپلر نے 1609 میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ آسمانی سیارے بیضوی راستوں پر گردش کرتے ہیں تو اسے بھی انتہائی مشکل پیش آئی کیونکہ یونانی سائنس داں نے دو ہزار سال پہلے یہ کہہ دیا تھا کہ گردش کا راستہ گول دائروں میں ہے اسی طرح جب ارسطو نے دنیا کو آگ، پانی، ہوا اور مٹی کے چار عناصر کا مجموعہ قرار دیا، تو صدیوں تک اسے چیلنج کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔

سائنس پر ایک شخصیت کی اتنی مضبوط گرفت سے گھبرا کر تیرہویں صدی کے سائنس داں راجر بیکن نے اعلان کیا ”اگر میرا بس چلے تو میں ارسطو کی سب کتابیں جلا دوں“ مگر ارسطو کی طے شدہ روایات کے خلاف آواز اٹھانے پر حاکمان وقت نے اسے چودہ برس کی قید تنہائی دی، جہاں اس نے سسک کر جان دی۔

ارسطو یقیناً ایک عظیم سائنس داں تھا۔ نئے علم کی بنیادیں رکھتے ہوئے، کچھ غلطیاں سرزد ہوجانا غیرمتوقع نہ تھا۔ مگر بدقسمتی یہ تھی کہ وہ اتنا عظیم تھا کہ اس کے جانشین سائنس داں اس کی عظمت کو چھو بھی نہ سکے، جس کی وجہ سے اس کی غلطیوں اور کارناموں میں مدت تک امتیاز نہ ہوسکا۔

یونان کا فلاسفر سائنس داں باسٹھ برسوں کی کامیاب زندگی کے بعد حضرت عیسیٰ سے 322 برس پہلے وفات پاگیا۔ ایک سال پہلے سکندر اعظم کی موت ہوچکی تھی۔ اس طرح یونان کی عظمت کا سورج اپنے نصف النہار پر پہنچ کر غروب ہوگیا۔

'دلہن' پادری اور براتی جمع تھے۔ مگر دلہا تلاش کرنے پر اسے لیبارٹری میں پایا گیا۔ وہ شادی بھولا نہ تھا۔ مگر اسے ابھی سائنس کا ایک تجربہ پورا کرنا تھا۔ دراصل اس کی وفاداری سائنس اور بیوی کے درمیان برابر بٹی ہوئی تھی۔

جس ڈھنگ سے پاسچر نے بیوی حاصل کی وہ اس کے سائنس کے کارناموں سے کم اہم نہیں۔ سٹرابرگ کی یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہی اس نے یونیورسٹی کے ریکٹر سے اس کی لڑکی کا رشتہ مانگا۔ جو لڑکی اور لڑکی کے باپ نے نامنظور کردیا۔ اس نے لڑکی سے براہِ راست درخواست کی کہ ''میرے بارے میں اتنا جلدی فیصلہ نہ کرو تم سے غلطی بھی ہوسکتی ہے وقت بتائے گا کہ میری روکھی اور شرمیلی شکل کے اندر تمھارے لیے کتنا پیار بھرا دل ہے۔''

پاسچر نے آخر محبت کا میدان مار لیا، اس کی ازدواجی زندگی انتہائی کامیاب رہی۔ یہ کامیابی بطور سائنس داں بھی اس کی کامیابی کا باعث بنی۔ اس کی بیوی اسے زندگی کے مشکلات سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی وہ اس کی پریشانیوں کو اپنے ذمے لے کر اس کے دماغ کو سائنس کے

معاملوں پر سوچنے کے لیے آزاد تھی اور ساتھ ہی پاسچر سے اس کے تجربات اور تحقیق کے بارے میں بحث کرکے اس کے خیالات کی نشو و نما میں مدد دیتی تھی۔ ''آدارہ، محبت اور صبر'' پاسچر کے لیے یہ تین اہم ترین الفاظ تھے۔ ان پر عمل کرنے سے وہ اپنی مرضی کی بیوی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہ الفاظ اس کے سائنس کے کارناموں کا راز بھی تھے۔ ابتدائی ناکامیوں سے اس نے کبھی ہمت نہ ہاری۔ اسی دماغی رویہ کی وجہ سے وہ ایک کامیابی سے دوسری کامیابی اور ایک ایجاد سے دوسری ایجاد تک پہنچتا گیا۔ 73 سال کی کامیاب اور مصروف زندگی میں اس نے انسانیت کے کتنے ہی دکھ دردوں کا مداوا تلاش کرلیا۔ پاسچر مشرقی فرانس کے ایک گاؤں ڈول میں 27 دسمبر 1822 عیسوی کو ایک چمڑہ ساز کے گھر پیدا ہوا جسے اپنے بچے کے مستقبل میں بھروسہ تھا۔ 10 سال کی عمر میں اس نے مصوری میں دلچسپی لینی شروع کی اور چند غیر معمولی تصویریں بھی بنائیں۔ بعد میں استاد بننے کے شوق سے اس نے پیرس کے ٹیچرس ٹریننگ اسکول میں داخلہ حاصل کیا مگر وہاں اس کی زیادہ دلچسپی ریاضی، فزکس کیمسٹری جیسے مضامین کی طرف ہوگئی۔ ٹریننگ ختم کرنے کے بعد استاد بننے کے بجائے اس نے ریسرچ کی طرف رجوع کیا اور کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے پڑھائی جاری رکھی۔ پاسچر اپنا گزارا ٹیوشن پر کرتا تھا جس کی آمدنی اکثر ناکافی ہوتی تھی، کئی بار اسے پیٹ بھر روٹی بھی نصیب نہ ہوتی مگر اس نے کہا کہ ''خوش قسمتی سے مجھے سر درد کی شکایت رہتی ہے جس کے باعث بھوک کی تکلیف بھول جاتا ہوں۔''

پڑھائی کے اختتام پر نوجوان سائنس داں نے اپنا کیریر لیبارٹری اسسٹنٹ کے طور پر شروع کیا۔ جہاں اس نے کرسٹل پر اپنے ابتدائی تجربے کیے اور کیمسٹری کے نئے مرکبات دریافت کے۔ اس کام کی بدولت ایک سال بعد وہ سٹرا برگ کی یونیورسٹی میں کیمسٹری کا پروفیسر بننے میں کامیاب ہوگیا۔ یہاں اس کے سب سے پہلے کاموں میں شادی کرنا شامل تھا۔ اس وقت اس کی عمر 26 سال کی تھی جبکہ اس کی بیوی 22 سال کی تھی۔

کیمسٹری کے تجربوں سے پاسچر کی دلچسپی بائیولوجی (جاندار چیزوں کا علم) کے ملتے جلتے مسائل تک جا پہنچی۔ اس نے زندگی کا راز تلاش کرنے کی کوشش کی، اس کا کہنا تھا کہ جان جاندار چیزوں ہی سے پیدا ہوسکتی ہے۔ بے جان چیزوں

لوئی پاسچر کے کارنامے

* کتے کے کاٹنے کا علاج دریافت کیا۔
* چڑیوں، اور جانوروں میں مرض پھیلانے والے بیکٹر یا کا مطالعہ کیا۔
* پاگل کتے کے کاٹنے سے پیدا بیماری ریبیز کا ٹیکہ ایجاد کیا۔
* یہ نکتہ دیا کہ بہت ساری بیماریاں جراثیم سے پیدا ہوتی ہیں۔
* جانوروں اور مرغیوں میں ہونے والی بیماری چکن کالرا پر ریسرچ کی اور ثابت کیا کہ یہ بیماری بیکٹیریا کی وجہ سے ہوتی ہے۔
* دودھ، شراب، پنیر اور دوسری اشیا کو دیر تک محفوظ رکھنے کے لیے خاص درجہ حرارت تک گرم کرنا بھی لوئی کوئی پاسچر کا کارنامہ ہے۔ (ادارہ)

سے نہیں۔اس وقت کے سب ممتاز سائنس دانوں کا خیال اس کے برعکس تھا جنھوں نے اس کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ آخر ایک زبردست اور گرما گرم بحث مباحثہ کے بعد پاسچر اپنے خیال کو صحیح ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

زندگی بنتی کیسے ہے؟ اس سے زیادہ اہم اور عملی سوال ہے کہ زندگی کو بچایا کیسے جا سکتا ہے؟ فرانس میں ایک پراسرار بیماری نے ریشم کے کیڑوں کا صفایا شروع کر دیا تھا۔جس سے ملک کی ریشم کی صنعت تباہ و برباد ہو رہی تھی۔ پاسچر جو اپنے کارناموں کی بدولت اکادمی کا رکن بن چکا تھا۔اس بیماری کی وجوہات اور علاج جاننے کے لیے معمور ہوا وہ کئی مہینوں تک سر پٹکتا رہا مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ادھر اس کے مخالفوں نے ایک بار پھر طوفان سر پر اٹھا لیا اس کے لیے پاسچر کا صرف ایک ہی جواب تھا ''صبر کیجیے۔''

وہ واقعی صبر کا سمندر تھا۔جن دنوں وہ ریشم کے کیڑوں پر تحقیق کر رہا تھا انہی دنوں اس کے والد کا انتقال ہو گیا اور پھر یکے بعد دیگرے تین لڑکے موت کا شکار ہو گئے مگر اس نے 18 گھنٹے روزانہ کام جاری رکھا۔اسی دوران اس پر ادھرنگ کا بھی حملہ ہوا اور آخر کار بیماری کی مجبوری آرام کے دنوں میں اسے اپنے مسئلہ کا حل سوجھ گیا۔''ریشم کے کیڑوں کی بیماری انڈوں سے حاصل کی جاتی ہے، جو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہو جاتی ہے، بیمار انڈوں کو ضائع کرنے سے صحت مند ریشم کے کیڑوں کی نسل شروع کی جا سکتی ہے۔

جہاں ایک طرف انڈوں کے بیوپاریوں کا غصہ بڑھا وہیں دوسری طرف اکثر کیڑے پالنے والوں نے اس مشورہ کو آزمایا اور کامیابی حاصل کی۔اس طرح فرانس کی معیشت ایک بھاری تباہی سے بچ گئی۔ پاسچر نے اسی دریافت کا اطلاق مزید شعبوں پر کیا اور چند دیگر مسائل کے حل بھی پیش کیے۔

شراب کی کشید فرانس کی ایک اہم صنعت تھی مگر یہ بھی ایک بیماری کا شکار ہو گئی۔ ایک ہی سال میں اس صنعت کو کروڑوں روپے کا نقصان ہو گیا کیونکہ کسی پراسرار طریقے سے شراب کا ذائقہ کھٹا ہو جاتا تھا۔ پاسچر نے اپنے تجربوں سے ثابت کیا کہ یہ کھٹائی جراثیموں کے عمل سے پیدا ہوتی ہے۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ شراب کو نقصان پہنچائے بغیر جراثیموں کو کس طرح ضائع کیا جائے۔ شراب کو مختلف درجہ حرارت تک گرم کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر اُسے 55 درجہ سنٹی گریڈ تک گرم کرلیا جائے تو شراب کی قسم بھی ٹھیک رہتی ہے اور جراثیم بھی مرجاتے ہیں۔ اسی اصول کو آج کل کھانے پینے کی سبھی چیزوں خاص کر دودھ، پنیر، گوشت، انڈوں وغیرہ کو دیر تک محفوظ رکھنے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ ان چیزوں کو خاص درجہ تک گرم کرنے کے بعد اس طریقے سے بند کردیا جاتا ہے کہ نئے جراثیم داخل نہ ہوسکیں۔

بے جان چیزوں سے جراثیموں اور جراثیموں سے کیڑوں تک پہنچنے کے بعد پاسچر نے اپنی دریافتوں کے سلسلے کو انسانی زندگی تک پہنچایا۔ اس وقت جراح کا کام جلاد کی طرح بھیانک تھا۔ آپریشن سے لوگ مرتے زیادہ اور بچتے کم تھے۔ بچہ پیدا کرنے کے بعد اتنی عورتیں جاں بحق ہوجاتیں کہ کئی لوگ زچہ خانوں کو ذبح خانوں سے تشبیہ دیتے تھے۔

پاسچر نے یہ کہہ کر ڈاکٹروں کی دنیا کو چیلنج کردیا کہ ہوا میں ڈاکٹر کے ہاتھوں اور آلہ جات میں پٹیوں اور روئی میں لاکھوں جراثیم ہوتے ہیں۔ جو زخم میں داخل ہوکر مریض کی موت کا باعث بنتے ہیں۔ ابتدائی مخالفت اور ہنگامہ کے بعد پاسچر کی سچائی تسلیم کی گئی اور جراحی کے علم میں ایک ایسا انقلاب آیا جس سے ان گنت زندگیاں بے وقت موت کا لقمہ بننے سے بچ گئیں۔

ٹیکہ کی ایجاد پاسچر کا نوع انسان پر ایک اور احسان ہے۔ اس نے اس حیران کن اصول کی دریافت کی کہ کسی بیماری کے شدید حملہ سے بچنے کے لیے اس بیماری کی خفیف شکل کام آسکتی ہے۔ اس غرض کے لیے اس نے مختلف بیماریوں کے جراثیم لے کر اس بیماری کے علاج کے لیے ٹیکے بنائے۔

پاگل کتے کے کاٹنے کا علاج پاسچر کا آخری بڑا کارنامہ تھا۔ 9 سال کی عمر میں اس نے دیکھا تھا کہ پاگل کتے کے کاٹنے سے زخمی ایک شخص کو لوہار کے پاس لے جایا گیا۔ جس نے گرم گرم لوہا زخم پر رکھ دیا۔ کوئی خوش قسمت مریض ہی مرض اور علاج دونوں سے بچ نکلتا ہے۔ پچاس سال بعد پاسچر نے اس مرض کا ایک موثر اور بے خطر علاج نکالا۔ پاگل کتوں پر تجربے کرتے ہوئے اس نے اکثر خود اپنی جان جوکھم میں ڈالی۔

عمر بھر کی جدوجہد کے بعد اس کی عظمت تسلیم ہوئی۔ اسے بے شمار تمغوں، انعامات، ڈپلوموں، تقاریب سے نوازا گیا۔ وہ اداکاری کا ممبر چنا گیا اور بین الاقوامی میڈیکل کانگریس لندن میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنے کا فخر بھی اسے حاصل ہوا۔ اس کی یادگار کے طور پر پیرس میں پاسچر انسٹی ٹیوٹ نام کا ایک ہسپتال کھولا گیا جہاں اس نے اپنی زندگی کے آخری دن گزارے۔ اس کی سترویں سالگرہ کو قومی تقریب کے طور پر منایا گیا۔ اس موقعے پر اس نے پیغام دیتے ہوئے کہا:

''مجھے مکمل یقین ہے کہ سائنس اور امن، جہالت اور جنگ پر غالب آئیں گے۔ قومیں آخر کار ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لیے نہیں بلکہ باہمی تعاون کے لیے اکٹھی ہوں گی۔ مستقبل کے مالک فاتح نہیں بلکہ دکھی انسانیت کے محافظ ہوں گے۔'' اس تقریب کے بعد پاسچر تین سال اور زندہ رہا۔

■

ماخذ: سائنس دانوں کی کہانیاں،
مصنف: بلراج پوری، طباعت: 2010،
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

احرار حسین

سالم علی

سالم علی (Salim Ali) 12 نومبر 1896 کو ممبئی میں پیدا ہوئے۔ بچپن کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ آپ کائنات میں موجود حیوانات پر تحقیق کرتے نظر آتے ہیں اور خاص طور سے پرندوں پر بغور مطالعہ کرتے دیکھے گئے آپ ان کی عادات، رہن سہن، اور غذا کا مطالعہ کرتے تھے۔ بچپن کا ہی واقعہ ہے کہ سالم علی نے ایک کوّا مار گرایا اور اس کو نزدیک سے دیکھا، اس سے متعلق ان کے ذہن میں بہت سے سوالات پیدا ہوئے۔ جواب حاصل کرنے کے لیے چچا صاحب سے رجوع کیا لیکن مطمئن نہ ہوسکے۔ چچا صاحب نے بچے کو تسلی کے لیے ممبئی نیچرل ہسٹری سوسائٹی لے جانا بہتر سمجھا اور وہاں ان کی ملاقات ڈبلو۔ ایس ملیرڈ سے کرائی۔ ملیرڈ نے سالم علی کے اندر پرندوں سے محبت اور تحقیق کے جذبے کو محسوس کیا اور اس سلسلے میں سبھی طرح کی سہولیات مہیا کیں۔ سالم علی نے اس ادارے سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ مالی دشواریوں کے سبب سالم علی اپنے بھائی کے پاس برما چلے گئے تاکہ وہ ان کے کاروبار میں مدد کرسکیں۔ لیکن ان کا دل اس کام میں نہیں لگا، وہ ممبئی واپس آ گئے اور قرب و جوار میں موجود پرندوں پر تحقیق میں ایک بار پھر سے مصروف ہوگئے۔ اپنے تحقیقی کاموں کو قلم بند بھی کرتے رہے۔ اس دوران آپ نے ذولوجی میں کورس بھی مکمل کرلیا اور اس کی مدد سے ممبئی نیچرل ہسٹری سوسائٹی میں گائڈ کے عہدے پر فائز ہوگئے۔ اس عہدے پر انھوں نے گائڈ کے کام کے ساتھ تحقیقی کام بھی جاری رکھا، اس کے بعد وہ جرمنی تشریف لے گئے اور ایک سال وہاں رہے۔ ممبئی واپسی پر ان کی ملازمت ختم ہوگئی اور وہ ایک بار پھر مالی پریشانیوں میں مبتلا ہوگئے۔ ممبئی میں (Mahim) ماہم نام کی جگہ پر آپ نے اپنی رہائش گاہ بنائی۔ یہ وہ جگہ تھی جو ممبئی کے شور شرابے سے دور تھی اور وہاں پر بہت سے پرندوں کی آمد و رفت بھی تھی۔ سالم علی نے ان پرندوں کو نزدیک سے دیکھا اور ان سے متعلق نئے

نئے انکشافات کیے۔ آپ ہندوستان کے مختلف حصوں میں گئے، ہندوستان اور غیر ممالک سے آئے پرندوں کا مشاہدہ کیا۔ وہ ہر اس جگہ گئے جہاں پرندے اپنا زیادہ وقت گزارتے تھے۔ اس لمبے عرصے میں سالم علی کے پاس بہت سا سائنسی ذخیرہ بھی اکٹھا ہو گیا۔ انھوں نے 1941 میں ان سب مشاہدوں کو کتاب کی شکل میں پیش کیا۔ کتاب دی بک آف انڈین برڈس (The Book of Indian Birds) بہت پاپولر ہوئی۔ اس کے علاوہ سالم علی نے ڈل لون اپلے کے ساتھ مل کر ہندوستان اور پاکستان کے پرندوں پر بھی کتابیں شائع کیں اور اس طرح سالم علی اورنتھولوجی (Ornithology) شعبے میں بین الاقوامی سائنسداں کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کو پانچ لاکھ روپیہ کا انٹرنیشنل ایوارڈ بھی ملا۔ 1983 میں ہندوستان کی سرکار نے پدم بھوشن ایوارڈ سے بھی نوازا۔ آپ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ آپ نے پرندوں کی حفاظت کے لیے بھی بہت کچھ کام کیا۔

سالم علی 20 جون 1987 کو انتقال کر گئے۔ آپ پرندوں کے ایک سچے دوست تھے۔ اس عظیم سائنس داں نے اپنی پوری زندگی پرندوں پر تحقیق اور ان کی فلاح و بہبود پر کام کیا۔ اس عظیم سائنس داں کو سائنس برادری اور وہ لوگ جو اورنتھولوجی شعبے سے تعلق رکھتے ہیں یاد رکھیں گے اور ان کے سائنسی ذخیرے کو سائنس کے فروغ میں استعمال کرتے رہیں گے۔

■

ماخذ: عظیم سائنس داں (مع ترمیم و اضافہ)

مصنف: احرار حسین، سنہ اشاعت 2016

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

بنسی لال یادو، ترجمہ: محمد امان اللہ

کاغذ کی کہانی

پیارے بچو! کاغذ سے تو تمھارا سابقہ روز ہی پڑتا ہوگا۔ اسکول کی کتابوں اور کاپیوں میں کاغذ کا ہی استعمال ہوتا ہے اور آج ہر جگہ، زیادہ تر کاموں میں یہ کاغذ استعمال کیا جاتا ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں کاغذ کی وجہ سے آسانی ہوگئی ہے۔ کاغذ کے تھیلے، کاپی، کتاب، اخبارات، ٹشو پیپر وغیرہ سے ہمیں بہت فائدے ہیں۔ آؤ آج اس کاغذ کی شروعات کے بارے میں جانتے ہیں۔

تقریباً دو ہزار سال پہلے چین میں سائیلون نام کا ایک شخص تھا جو پیڑ پودوں پر ریسرچ کیا کرتا تھا۔ اُس نے چین کے مختلف درختوں اور پودوں کے بارے میں کافی معلومات جمع کی تھیں۔ اس کی جانکاری سے چین کا راجا بہت خوش تھا۔ ایک دن راجا نے سائیلون کو اپنے دربار میں بلایا اور کہا کہ لون! تم بہت اچھا کام کر رہے ہو، لیکن تمھارے مرنے کے بعد آنے والی نسلیں تمھارے ان عظیم کارناموں کو کیسے جان سکیں گی۔ تم کچھ ایسا کرو جس سے لوگ تمھیں ہمیشہ یاد کر سکیں۔

سائیلون نے یہ سن کر کہا کہ ٹھیک ہے میں کوشش کرتا ہوں۔

کچھ دنوں کے بعد اُس نے ایک ایسے گودے کا پتہ لگا لیا، جس پر کسی برش یا لکڑی سے رنگ کے ذریعے نشانات بنائے جا سکتے تھے۔ سائیلون نے شہتوت کے درخت کو ریشے نکلنے تک چھیلا۔ ان ریشوں کو پانی میں ملا کر اُس نے پیسا اور جب اُس کی ایک لگدی سی بن گئی تب اُسے سوکھنے کو رکھ دیا۔ یہ لگدی سوکھ کر ایک پرت میں تبدیل ہوگئی۔ اِس پرت کو سائیلون نے برابر کر کے پتلا کر دیا اور اِس طرح کاغذ کا جنم ہوا۔ آج بھی کاغذ اسی طریقے سے تیار ہوتا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ ہاتھوں کی جگہ مشینوں نے لے لی ہے۔

1204 تک بڑے سائز کا کاغذ الگ الگ بنایا جاتا تھا۔ بعد میں اس میں ترقی ہوئی اور پھر ایک ماہر کاریگر بڑے سائز کا سو (100) کاغذ ایک گھنٹے میں بنانے لگا۔ اب دھیرے دھیرے کاغذ کی ضرورت بڑھنے لگی اور اس وقت کے بڑے کاروباریوں کا دھیان اِس طرف گیا کہ کیسے کم وقتوں میں زیادہ سے زیادہ کاغذ تیار کیا جائے۔ 1210 میں فرانس اور برطانیہ کے سائنس دانوں اور ایجنسیوں نے کاغذ بنانے کا آسان طریقہ دریافت کیا۔ اُس کے بعد سے اس سمت میں مسلسل ترقی

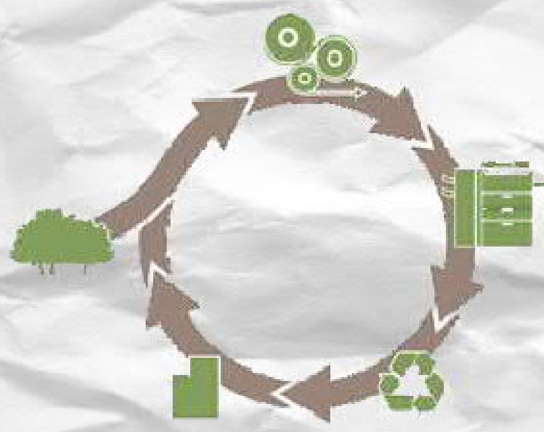

ہوتی رہی ہے۔ آج عالم یہ ہے کہ نیوز پرنٹ (اخباری کاغذ) بنانے والی مشین تین ہزار چوڑے اور ایک ہزار فٹ لمبے کاغذ کو محض ایک منٹ میں تیار کر دیتی ہے۔ ایک ہفتے میں اس مشین سے ایک ہزار ٹن کاغذ تیار ہو جاتا ہے۔

مختلف پیڑ پودوں کے ریشے الگ الگ ہوتے ہیں اور ان ریشوں سے ملے کیمیائی عناصر پیکٹین، ماڑی، چینی وغیرہ کی مقدار بھی پیڑوں میں الگ الگ ہوتی ہے۔ اسکینڈے نیویا، فن لینڈ اور کناڈا سے دنیا کے ملکوں کو کاغذ اور کاغذ بنانے والی لکڑی برآمد کی جاتی ہے۔ باریک کاغذ روئی کے ریشوں اور ایک خاص قسم کی گھاس سے بنایا جاتا ہے۔ آج کاغذ ہم کتنا استعمال کرتے ہیں لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ کاغذ استعمال کرنے کے بعد ہم اُسے ڈسٹ بن میں ہی ڈالیں۔ اِدھر اُدھر پھینکنے سے گندگی پھیلتی ہے اور دیکھنے والے کو بھی برا لگتا ہے۔ ■

ماخذ: بنسی لال یادو
کہانی: آوشکاروں کی، میناکشی پرکاشن، اجمیر

جوابات

الفاظ کی تلاش ساری-قمیض شرٹ-بنیان جیکٹ-سوئیٹر کرتا-پائجامہ شلوار-فراک

انیس الحسن صدیقی

بادشاہ تُوتن خَمُون کا آسمانی دھات والا خنجر!

تُوتن خَمُون (Tutan Khamun) 600 سال قبل مسیح 1323-1332 تک مِصر کا بادشاہ تھا۔

مِصر کی تہذیب سب سے پُرانی مانی گئی ہے۔ یہ پتھر، سونا اور کانسہ کا زمانہ تھا۔ مِصر کے لوگ اُس وقت تک لوہے کے سُودھنے کی تکنیک سے واقف نہیں تھے۔ ہاں البتہ پتھر، سونا اور کانسہ کی دستکاری میں اُن کا جواب نہیں تھا۔ اُس زمانہ میں بادشاہ کی موت کے بعد اُس کی لاش کو چند کیمیائی مسالے لگا کر جس کے ذریعہ اُس کی لاش خراب نہ ہو ایک تابوت میں اُس کو سُنہرا نقاب اُڑھا کر اُس کی چیزوں کے ساتھ اُس کو ایک مقبرہ میں دفن کر دیتے تھے اور اُس کے مقبرہ کے اُوپر پتھروں کا اہرام تعمیر کر دیتے تھے۔ مقبرہ میں جانے کا راستہ ایک راز ہوتا تھا تا کہ ہر کوئی وہاں تک آسانی سے نہ پہنچ سکے۔ تاریخ دانوں کے مطابق یہ ایک اچھا رواج تھا کیونکہ اُن کے اہراموں میں اُس زمانہ کی تاریخ اُس میں دفن کی گئی چیزوں کے مطالعوں کے ذریعہ ہوسکتی تھی۔ اُس زمانہ کی زبان جو اُن پتھروں پر نقش ہے آج کل کی زبانوں سے بہت ہی مختلف ہے اور اُس زمانہ کی زبان کو سمجھنا اور پڑھنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ وہ زبان باوجود کوششوں کے آج تک پڑھی نہیں جا سکی ہے۔

1922 میں تُوتن خَمُون بادشاہ کا مقبرہ مصر کے ایک اہرام میں دریافت ہوا تھا۔ بادشاہ کی ممی (لاش) کے چہرہ پر سُنہرا نقاب پایا گیا جو کہ اُس زمانہ کی صناعہ (artifact) کا ایک نمونہ تھا۔ بادشاہ کی ممی کے ساتھ اور بھی مصنوعات پائی گئیں جن کے ذریعہ اُس زمانہ کی تہذیب کا اندازہ لگایا گیا تھا۔ اِس دریافت کے تین سالوں بعد یعنی 1925 میں بادشاہ تُوتن خَمُون کا ایک خنجر اُس کی ممی کے ساتھ گرد پوش (Wrapper) میں لپٹا ہوا پایا گیا تھا۔ تاریخ داں اُس خنجر کو پا کر بہت ہی حیران اور پریشان ہوئے کیونکہ اُس خنجر کا پھل آہنی تھا اور دستہ سُنہرا تھا۔ وہ حیران و پریشان اس لیے ہوئے کیونکہ اُس زمانہ تک مصری باشندے لوہا اور لوہے کے سُودھنے کی تکنیک سے واقف نہیں تھے یعنی تب تک لوہے کا زمانہ شروع نہیں ہوا تھا۔ اُس زمانہ میں لوہا سونا سے بہت قیمتی تھا۔ اس لیے اس کی مزید تفتیش کے لیے اس خنجر کو سائنسی لیباریٹری میں معائنہ اور تجزیہ کے لیے لے جایا گیا تھا لیکن سائنسداں کسی فیصلہ کُن نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ لٰہذا تب سے آج تک تاریخ دانوں اور سائنسدانوں کے لیے باشاہ تُوتن خَمُون کا آہنی خنجر ایک مُعما ہی رہا۔

حال ہی میں یونیورسٹی آف مِلن کے پولی ٹیکنیک کے ماہروں کی ایک ٹیم نے جناب ڈاکٹر ڈینیل کومیلی کی قیادت میں اپنے جدید ترین نفیس آلات یعنی سفری ایکسرے فلورے سینس اِسپیکٹرومیٹری آلہ لے جا کر قاہرہ کے میوزیم میں اُس خنجر کے طیف کے رنگوں کا جو اس سے نکلے تھے مطالعہ کیا پھر اُس کے نتیجے تقریباً گیارہ دوسرے حجرِ شہابی کے طیف کے رنگوں سے موازنہ کیا گیا جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس خنجر کے پھل میں لوہا 10.8 وزن فی صد، نکل اور کوبالٹ 0.58 وزن فی صد ہے۔ یہ اتفاق نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ لوہے والے حجرِ شہابی

اکثر لوہے اور نکل اور بہت ہی کم مقدار کو بالٹ، فاسفورس، سلفر اور کاربن کی میں پائے گئے ہیں۔ ہمارے کُرّۂ ارض کی پرت میں لوہا بغیر نکل کی ملاوٹ کے پایا جاتا ہے۔ یہ تمام رپورٹ حال ہی میں حجرِ شہابی اور سیاروی سائنس کے رسالہ میں شائع ہوئی ہے۔

مصر کے اُس زمانہ میں لوہے کے اجرام شاذ و نادر ہوتے تھے اور سونے سے بھی قیمتی سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے اُس وقت کے کاریگر اُن کو زیبائشی کرتے تھے اور شاید اسی لیے قدیم مصر میں بہت ہی مشکل سے کام کرنے کے لیے ملتا تھا۔ اس پر کام کرنے کے لیے بہت ہی زیادہ گرمی درکار ہوتی تھی جو قدیم مصر میں ممکن نہیں تھا۔ اب سائنسدانوں اور آثاریات دانوں کے لیے ایک اور معما کہ انہوں نے حجرِ شہابی سے اس خنجر کا پھل کس طرح بنایا ہوگا؟ جبکہ اُس زمانہ میں مصر کے لوگوں کو لوہے کے سودھنے کی تکنیک معلوم نہیں تھی۔ حجرِ شہابی کو خنجر کے پھل کی شکل میں بنانے کے لیے اُس کو زبردست پیٹنا پڑا ہوگا۔ مصری دستکاروں نے لوہے والے حجرِ شہابی کو ایک مصری ہیرو خلیف

بادشاہ تُوتن خمون کا آہنی پھل والا خنجر جو کہ بادشاہ کی ممی کے گرد ایک گردش پوش میں لپٹا ہوا پایا گیا تھا۔

(Rieroglyph) کیا تھا۔ کیا وہ پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ اُن کا حجرِ شہابی آسمان سے گرا تھا؟ بہرحال سائنسدانوں کی ٹیم کا سائنسی مطالعہ تصدیق کرتا ہے کہ کسی بھی صورت سے مصر کے دستکاروں نے آہنی حجرِ شہابی کو اہمیت دے کر اُس کو ایک نایاب مصنوعہ بنا کر اپنی دستکاری کے ماہر ہونے کا ثبوت پیش کیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ حجرِ شہابی کیا ہے؟ یہ جاننے کے لیے ہمیں پہلے اپنے نظامِ شمسی کے بارے میں جاننا ہوگا۔

آج سے چار سو سالوں پہلے اٹلی کے مشہور ہیئت داں و ریاضی داں گیلیلیو گیلیلی نے اپنی دوربین کے ذریعہ آسمانی اجراموں کا مشاہدہ و مطالعہ شروع کر کے اُن کے بارے میں دریافتوں کا سلسلہ شروع کیا تھا جو آج تک جاری ہے۔ ہمارے سورج کا اپنا ایک شمسی نظام پایا گیا ہے۔ سائنسدانوں نے حساب لگایا ہے کہ سورج اپنے نظام کا 99 فی صدی پایا گیا ہے۔ صرف ایک فی صدی میں اُس کا شمسی نظام پایا گیا ہے جس میں آٹھ سیارے (عطارد، زہرہ، کُرّۂ ارض، مریخ،

بادشاہ توتن خمون کی موت کا سنہرا نقاب پوش

مشتری، اُرانُوس، نیپٹون) اور پلُوٹو جیسے قصیر سیارے اور اُن کے چاند جن کی دریافتوں کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے، لا تعداد خُرد سیارے، لا تعداد دُمدار سیارے، شہابے اور حجرِ شہابی اور دھول وغیرہ وغیرہ ہیں۔ یہ تمام اجرام ہمارے سورج کے بننے کے دوران جو مادہ بچ گیا تھا اُس کے نتیجہ میں ہیں۔ اِن تمام اجرام کو ہمارے سورج نے اپنی کشش کے ذریعہ اپنے گرد اپنے اپنے مدار میں گردش کرنے پر مجبور کیا ہوا ہے۔

ان مندرجہ بالا اجرام میں خُرد سیارے اور دُمدار سیارے ہمارے کُرّۂ ارض پر حجرِ شہابی کے اُترنے کے لیے ذمہ دار ہیں۔ دراصل حجرِ شہابی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ ایک چٹانی یا دھاتی پتھر جو ہمارے کُرّۂ ارض کی فضا (کُرّۂ باد) میں جلنے کے بعد بھی زمین یا سمندر میں گرتا ہے۔ ہمارے کُرّۂ ارض کے کُرّۂ باد میں داخل ہونے سے پہلے یہ خلا میں شہابِ ثاقب (Meteoroid) کہلاتا ہے۔ خلا میں دُمدار سیارے ہمارے سورج کے گرد اپنی گردِش کے دوران سورج کی گرمی کی وجہ سے ٹوٹ کر شہابِ ثاقب کی شکل میں علیحدہ ہوجاتے ہیں اور خلا میں پڑے رہتے ہیں۔ جب ہمارے کُرّۂ ارض کا گذر خلا میں اُس علاقہ سے ہوتا ہے جہاں یہ پڑے ہوتے ہیں تو یہ ہمارے کُرّۂ ارض کی کشش کی زد میں آجاتے ہیں اور ہمارے کُرّۂ ارض کے کُرّۂ باد میں داخل ہوتے وقت یہ ہوا کی رگڑ کے ذریعہ جلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ اکثر آپ کو رات کے وقت آسمان میں جلتی ہوئی لکیر دکھائی دیتی ہے۔ اُس وقت یہ شہابہ (Meteor) کہلاتے ہیں۔ یہ شہابے کُچھ تو ہوا میں ہی جل کر خاک ہوجاتے ہیں اور کُچھ جلنے کے بعد بھی یہ پتھر یا دھات کے ٹکڑوں کی شکل میں ہماری زمین کی خشک سطح یا سمندر میں گر جاتے ہیں۔ گرنے کے بعد یہ حجرِ شہابی (Meteorite) کہلاتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں لوگوں کے لیے یہ آسمانی جرم کہلاتے تھے اور اُن کے لیے یہ ایک آسمانی نایاب تحفہ ہوتا تھا جیسا کہ بادشاہ تُوتن خُمون کے زمانہ میں مصری کاریگروں نے اس کو پیٹ پیٹ کر بادشاہ کے خنجر کا پھل بنایا تھا۔ نہ تو اُن کو یہ معلوم تھا کہ یہ کہاں سے اور کس طرح زمین پر آیا ہے اور نہ ہی اس کے دھاتوں کی آمیزش کا پتہ تھا۔ آج کل یہ ہمارے پلینے ٹوریم یا میوزیم کی زیبائش کے حصے ہیں۔

یہ بینڈیگو حجرِ شہابی برازیل سے ہے۔ اس قسم کے حجرِ شہابی نے قدیمی مصری لوگوں کی توجہ کے لیے راغب کیا تھا۔

■

A.H. Siddiqui
679, Sector - 22B
Gurgaon - 122015 (Haryana)

محمد خلیل

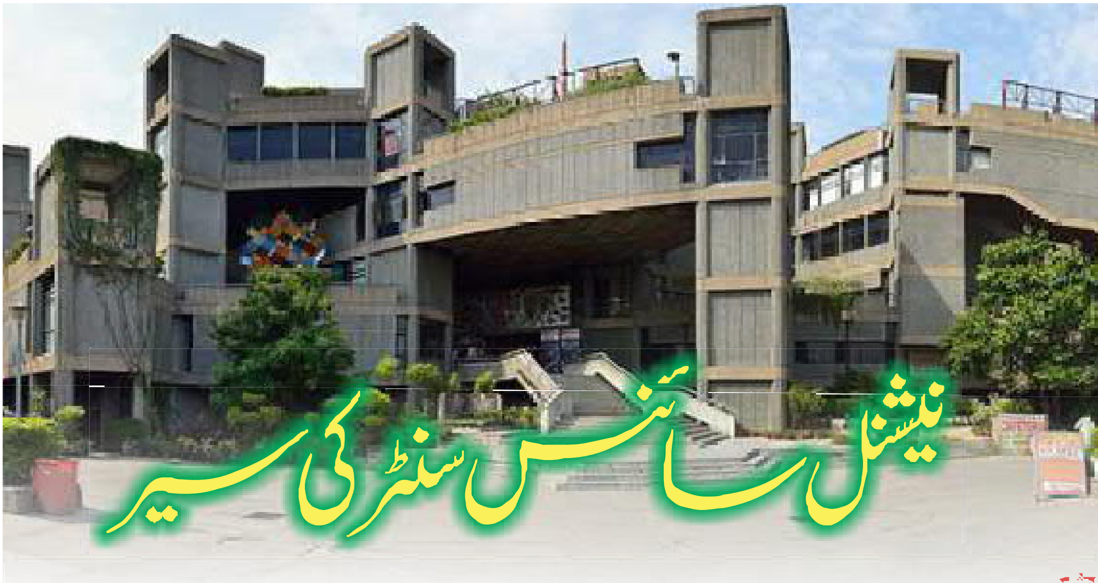

نیشنل سائنس سنٹر کی سیر

چھٹی کے دنوں میں تم کسی نئی جگہ جانا چاہتے ہو جہاں کوئی نئی چیز تمھیں دیکھنے کو ملے اور تم کچھ نئی باتوں کے بارے میں جان سکو۔ تو آؤ آج ہم تم کو ایک نئی جگہ لے چلتے ہیں جو نئی دہلی میں پرگتی میدان کے پیچھے ہے اس کی پانچ منزلہ شاندار عمارت بنی ہوئی ہے جسے ہم 'نیشنل سائنس سنٹر' کے نام سے جانتے ہیں۔ ایسے بائیس سینٹر ممبئی، پٹنہ، ناگپور، لکھنؤ، بھوپال، گلبرگہ، کولکاتا، بنگلور، گوہاٹی اور ملک کے کچھ دوسرے مقامات پر بھی ہیں۔ یہ سب سے پہلے کولکاتا میں قائم ہوا تھا۔ یہ نئی دہلی میں 1992 سے قائم ہے۔ آیئے اِسے دیکھیں جیسے ہی تم خاص بڑے دروازے سے اِس سائنس سنٹر (مرکز) میں داخل ہوگے تمھیں سامنے ایک برا ماڈل 'توانائی گیند' یا جسے انرجی بال کہتے ہیں دکھائی دے گا۔

توانائی گیند دُنیا کا سب سے بڑا نمائشی ماڈل ہے۔ اِس کی عجیب سی دوڑ دھوپ کو دیکھ کر تم کو تعجب ہوگا کہ اسکلیلیٹر سے جب تم اُوپر چڑھ رہے ہوتے ہو اس دوران گیند مسلسل طے کیے ہوئے راستے پر سفر کرتی رہتی ہے اور قلابازی کرتی ہے۔

جس سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے جو بجلی پیدا ہونے کا اشارہ ہے جو پھر توانائی میں بدل جاتی ہے۔ اس ماڈل میں سولہ گیندوں کو چین لفٹ کے ذریعے چودہ میٹر کی اونچائی تک پہنچا کر گول راستوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور یہ چین لفٹ کے ذریعے ترتیب سے گزرتے ہوئے اُوپر پہنچائی جاتی ہے۔ اِس عمل میں چین لفٹ تین گیندوں کو اوپر لے جاتی ہے اور نیچے کی طرف پھر تین گیندوں کے واپس آنے کا انتظار کرتی ہے۔ گیند کو اوپر کی طرف لے جانے کے اِس طریقے میں گیندوں کے علاوہ توانائی بھی جمع ہوتی رہتی ہے۔ لفٹ کے ذریعے اوپر سے جا کر چھوڑی ہوئی گیندیں ترتیب کے ساتھ دروازوں کے ذریعے آگے بھیجی جاتی ہیں جو ترتیبی سے دروازے سے نکلی گیندیں ایک خاص ترتیب میں گزرتی ہیں جبکہ غیر ترتیبی دروازے سے نکلی ہوئی گیندیں غیر ترتیب ہو کر اپنی مرضی کے مطابق گزرتی ہوئی قلابازی کرتی ہوئیں گزرتی ہیں۔ اِس کے برخلاف اوپر جاتی ہوئی گیندیں مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی آگے نکل جاتی ہیں۔ یہ سینٹری فیوگل فورس (یعنی مرکز

گریز قوت) اور آئینگولر ولاسیٹی (زاویاتی رفتار) کی وجہ سے ایک ٹرالی سے گزر کر زائلوفون بجاتی ہوئی نیچے کی طرف چھ میٹر کی اونچائی تک کودتی ہیں پھر پلیٹ پر گرتی ہیں اور لچک دار ہونے کی وجہ سے اپنے راستے پر چلتی ہوئی کمپاؤنڈ اسپلیٹر بجاتی ہوئی اٹھنے کے اصول سے ایک کمپاؤنڈ پنڈولم بجاتی ہوئی بجلی پیدا کرتی ہیں۔ اس طرح اپنے راستوں پر طرح طرح کی اچھی لگنے والی قلابازیوں کو کرتے ہوئے سفر کرتی ہیں۔ یہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے گیند کا یہ کمال بڑا ہی تعجب والا ہے جو آنے والے لوگوں کے دماغ میں کئی سوال پیدا کرتی ہے اور ان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔

میراث (ہیریٹیج) گیلری میں ہندوستان اور سائنس ٹکنالوجی کے پانچ ہزار برسوں کی تاریخ کو کام کرنے والے ماڈلوں کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔ یہاں پرانی ہندوستانی ریاضی (حساب)، نجوم کا علم، طب کا علم، کیمیا کا علم، دھاتوں کی تیاری، اور پرانے زمانے کی بدلتی ہوئی سائنس ٹکنالوجی کی شکلوں کو بھی مختلف طریقوں سے دکھایا گیا ہے۔ بڑے بڑے سوالات، بڑی گنتیاں اور ڈسمل والی گنتی کا حل نکالنے کے لیے بھی ماڈل کو یہاں دکھایا گیا ہے۔ پھر زیرو (صفر) کی ایجاد کرنے والے سائنس داں کی زندگی کو مختصر طور پر بتایا گیا ہے۔ ایٹم کی بناوٹ کو بھی بتایا گیا ہے۔ ایک دلچسپی کی بات یہ ہے کہ یہاں میوزیم میں آنے والا کوئی بھی شخص مشہور قدیم سائنس داں آریہ بھٹ بن سکتا ہے یہ اس طرح کہ تم ماڈل کو چلا کر یہ معلوم کر سکتے ہو کہ ڈیڑھ ہزار سال پہلے آریہ بھٹ سائنس داں نے—(پائی) یا گولے کے رقبے کو حل کر کے پائی کی قیمت (وئیلو) کیا معلوم کی تھی وہاں موجود چرک کی دریافت کی ہوئی دوائیں، سُسرت کے جراحی (سرجری) کے آلات آج بھی تم کو تعجب میں ڈال دیں گے۔ یہاں میوزیم میں ایسا ویڈیو رکھا ہوا ہے جس کے ذریعے جنتر منتر کے آلاتوں کے بارے میں سمجھایا گیا ہے۔ پرانے زمانے میں کیمیا کی تجربہ گاہ (لیباریٹری) میں لوہا بنانے کے طریقے، اُسے پگھلا کر صاف کرنے کے طریقے کے علاوہ ہندوستانی کیمیا اور دھات کی خوبیوں کو کئی طریقے سے دکھایا گیا ہے۔ مغل بادشاہ اکبر کے دور کی کئی توپ نلیوں کو ایک ساتھ صاف کرنے والی مشین جسے فتح اللہ شیرازی نے بنایا تھا اِس گیلری میں موجود ہے۔ اس مشین کو کام کرتے ہوئے تم دیکھ سکتے ہو۔ یہاں اُس زمانہ کے کاریگروں کی تیار کی ہوئی دھاتوں پر کئی طرح کی خوب صورت نقشی کو دکھایا گیا ہے۔

سائنس سنٹر کی ایک گیلری میں بیسویں صدی کے ممتاز ہندوستانی سائنس دانوں کی خدمات کو ایک ماڈل کے ذریعے

دکھایا گیا ہے۔اس طرح ہندوستان کی سائنس اور تکنالوجی کی بدلتی ترقی کی تصویر کو یہاں کے نمائشی ہال میں رکھا گیا ہے۔

یہاں سائنس سنٹر میں تمہاری دلچسپی کے لیے تفریحی سائنس کے ایسے تجربوں کو رکھا گیا جو دلچسپ نہ ہوتے ہوئے یہاں خوب صورت نظر آتے ہیں۔ اس لیے تم ان کو دیکھ کر آسانی سے سمجھ سکتے ہو۔مثال کے طور پر یہاں تم پانی کے بلبلے کو کئی حالتوں میں اوپر اٹھتے ہوئے دیکھ سکتے ہو' دوسری طرف ریاضی پنڈولم، ڈھلتی گیندیں، روشنی، آئینہ، مقناطیس (میگنیٹ) اور کپکپاہٹ، برقی، دیکھنے میں دھوکا جیسے کئی سائنسی ماڈل رکھے ہوئے ہیں۔

یقین آپ کو شاید نہ آئے لیکن یہاں تم سمندری لہریں خود پیدا کر سکتے ہو۔ کیئرم کھیلنے کا یہاں عجیب انداز کا ماڈل موجود ہے۔ یہاں تم گرم بھری ہوئی ہوا کا غبارہ اٹھا سکتے ہو۔ اپنے کٹے ہوئے سر کو چاندی کی تھال میں دیکھ سکتے ہو، پھر آگے بڑھیے اور وہاں موجود گیند کو گھیرے میں لڑھکاؤ اس تفریحی سائنس کے ذریعے یہاں سنٹر میں پورا لطف اٹھا سکتے ہو۔

اس سائنسی سینٹر میں جب تم گھومتے ہوئے خود کر کے دیکھنے والے حصے میں پہنچو گے تو خود ہی دیکھو گے کہ بچے سائنسی کھیلوں سے کھیل رہے ہیں تم بھی یہاں کھیل سکتے ہو ساتھ ہی نیا تجربہ بھی کر سکتے ہو۔معلوم کرنے کی نئی خوشی کے جذبے کو محسوس کر سکتے ہو۔ اس گیلری میں کمپیوٹر کو سمجھنے کے لیے ایک ماڈل بھی موجود ہے یہاں گنبد والے سیارات نما یعنی پلینیٹیریم میں بیٹھ کر تم تاروں سے بھرے ہوئے آسمان کی سیر کر سکتے ہو۔ یہاں تمہارے ٹیچرس کے لیے اسکول مرکز بھی ہے تاکہ وہ بھی ایسا ہی مرکز اپنے اسکولوں میں بنائیں جس سے بچے سائنس میں زیادہ دلچسپی لیں۔ اس مرکز میں کم قیمت والی تعلیم کی مددگار چیزیں بھی تیار کرنے کے لیے رکھی گئیں ہیں اس طرح یہاں ایک چھوٹی ورکشاپ بھی موجود ہے۔

اس گیلری میں جانکاری یعنی اطلاعات کو بڑے طور پر پھیلانے کے لیے جو اِس میدان میں ترقی ہوئی ہے اس کے بارے میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ یہاں دکھایا گیا ہے۔تم اِس گیلری میں جیسے ہی داخل ہو گئے تمہارے سامنے 1947 کی جنگِ آزادی کی اُس صبح کی وہ تصویر آجائے گی اسی وقت سے ہمارے اطلاعات کے جمہوری طریقے کی شروعات ہوئی تھی جس کو کچھ ملکوں میں اُن مواصلاتی طریقوں کو استعمال میں لایا گیا تھا۔ یہاں اِس کی موجودگی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

یہاں سنٹر کی دیواروں پر پرانے زمانے کی تصویریں، اطلاعات کو پہنچانے کے کئی طریقے دکھائی گئے ہیں۔ پرانے

فلسفی (فلاسفر)، پہاڑیوں کی تصویریں، اور پرانے زمانے کی خوب صورت مورتیوں کو دیکھ کر اس زمانے میں پہنچ جائیں گے جنھیں حقیقت میں آپ کبھی نہیں دیکھ سکتے۔

جب تم اگلی گیلری میں داخل ہوتے ہو تو وہاں 19 ویں صدی کی ریل ڈاک تار کے نظام کو دکھایا گیا ہے۔ یہاں تم ایک پرانا فلم اسٹوڈیو بھی دیکھو گے جو میں ہاتھ سے چلانے کا کیمرہ رکھا ہوا ہے جس کو دیکھ کر تم تعجب میں رہ جاؤ گے وہیں پر بٹن دبا کر پرانے مشہور گانے بھی سن سکتے ہو۔ وہیں دوسری طرف پرانا قومی چھاپہ خانہ (پریس)، پرانا ڈاک خانہ جسے بڑے اچھے ڈھنگ سے دکھایا گیا ہے۔ اس کے بعد آگے چل کر تم کمپیوٹر کے دور میں پہنچ جاتے ہو یہاں 1974 میں ملک میں تیار کیا ہوا کمپیوٹر دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد تو کوئی بھی شخص تصویری فون (پکچر فون) کے ذریعے بات کرنا بھولتا ہی نہیں۔ آگے بڑھنے پر تم جو کمپیوٹر دیکھتے ہو اس میں فنگر پرنٹ اور سائنس لینگویج سمبل کو پیش کیا گیا ہے۔ یہاں خواہش کو پورا کرنے کے لیے کئی کمپیوٹر رکھے ہوئے ہیں۔ تربیت دینے والے کمپیوٹر مرکز طالب علموں کو کمپیوٹر میں بھرے ہوئے پروگراموں کی تفصیل بتاتا ہے۔ ایک دوسری جگہ خاص کر آج کے مواصلاتی طریقے کی کئی قسموں کو دیکھایا گیا ہے۔ جس سے آج ہماری زندگی جڑی ہوئی ہے جس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ آج قومی اطلاعاتی نظام (طریقے) کے ذریعے ایک بڑا ڈیٹا (اعداد و شمار) بینک سے جڑ گیا ہے۔ یہاں ایک بوتھ ایسا بھی دیکھو گے جہاں زمین کا ایک چھوٹا اِسٹیشن ایک سیارے (سیٹی لائٹ) کی مدد سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔

اِس سائنس سینٹر کا ایک بڑا کام یہ بھی ہے کہ ان معلومات کو بس کے ذریعے ملک کے مختلف حصوں میں لے جاتے ہیں جو ملک کے دور علاقوں تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ کام ملک کی سائنس میوزیم کاؤنسل انجام دے رہی ہے۔ اِس طرح سائنس میوزیم میں سائنس کے آلات اور تجربات کو خود دیکھ کر تم کبھی نہیں بھولو گے اور کبھی استعمال بھی کرو گے ہی، خود کرنے سے پھر بخوبی سمجھ جاؤ گے۔

لیکن اس سے انکار نہیں کہ صرف پڑھ لینے سے یا اس کے بارے میں سن لینے سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی جس قدر دیکھنے اور کرنے سے ہوتی ہے۔ ان معلومات کو تم تک پہنچانے کا یہی مقصد ہے کہ آپ سائنسی سینٹر پہ جائیں اور وہاں کا فائدہ اٹھائیں۔

■

Mohammad Khalil
Ex Sr. Scientist
H-51 Dr Iqbal Lane
Batla House, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

■ خاور نقیب

سردی آئی، شاپنگ کرلیں

سردی آئی سردی آئی
کہرے کی اک بدلی چھائی
تھر تھر تھر تھر کانپتی آئی
گڑیا لے کر منّی آئی
حق حق رٹنے والا طوطا
پنجرا لے کر گھر سے نکلا
دانا دنکا چنتی آئی
کُڑ کُڑ کرتی مرغی آئی
روئی کے یہ گالوں جیسے
چوں چوں کرتے چوزے نکلے
گرمی کا دم بھرتی آئیں
بھیڑیں میں میں کرتی آئیں
بھیڑیں، مرغی، چوزے، طوطا
منّی کی چھوٹی سی گڑیا
سب نے مل کر ہانک لگائی
سردی آئی، سردی آئی

کتا، بلی، بکری خچر
کوا، مینا، اور کبوتر
ہوہو کرتے، سی سی کرتے
بیچ سڑک پر آکر ٹھہرے
چوہا اپنے بل سے نکلا
بلی کو اس نے للکارا
بلی دبکی دبکی آئی
لیکن اس نے ٹھوکر کھائی

کوا اڑتے اڑتے آیا
اس نے بلی کو سمجھایا
غصہ کرنا ٹھیک نہیں ہے
لڑنا بھڑنا ٹھیک نہیں ہے
بلی نے چوہے کو بلایا
اور اپنے سینے سے لگایا
چوہے-بلی کی ہے سگائی
سردی آئی، سردی آئی

چیں چیں کرنے والی مینا
بولی، آؤ بلی بہنا
سردی آئی شاپنگ کرلیں
تھوڑی سی ہم جاگنگ کرلیں
مینا کی یہ باتیں سن کر
چھوٹے چھوٹے تنکے چن کر
مرغی کُڑ کُڑ کرتی آئی
اس نے ایسی بات بتائی
سب نے مل کر شور مچایا
شاپنگ ہی پر زور لگایا

ان میں تھی کچھ ایسی دم خم
پہنچے شاپنگ مال کو جس دم
لوگوں نے حیرت سے دیکھا
غور کیا اور پل پل سوچا
گاہک ہیں یہ دیکھے بھالے
کتنے مزدور، لگتے بیچارے
ٹھٹھرے کیسے ہانپ رہے ہیں
سردی سے سب کانپ رہے ہیں
بلی، چوہا، مینا، بکری
مال کے اندر افراتفری
لوگوں نے جب شور مچایا
مالک دوڑا دوڑا آیا
اس نے آکر ہانک لگائی
بھاپ اڑاتی چائے آئی
چائے کی ہر سیپ پر بلی
دم کو ہلا کر بولی بھائی
ہم کو بھی لگتی ہے سردی
دل میں گر ہے کچھ ہمدردی
سردی کے سامان دلا دیں
پشمینے کے تھان دلادیں
مفلر، ٹوپی، موزے بھی ہوں
پیکٹ بھر چلغوزے بھی ہوں
دل کے ارماں پورے کیجے
برانڈیڈ کافی ہم کو دیجے
اپنی اپنی جھولی بھرلیں
مفت میں تھوڑی شاپنگ کرلیں

■

Khawar Naqeeb
'Tarweej' P.O: Kood, Sungra,
Cuttack (Odisha)

عبدالرزاق دل

نیا سال

کرے ہے گردش زمیں کا گُرّہ
گردش میں ہے شام سویرا
وکرم، اسلم، بہنا صغریٰ
Happy New year بولے چترا
آیا سنہ دو ہزار سترہ

ہم لائے اسٹور سے جاکر
بھول گئے رکھنا لٹکا کر
نیا کیلنڈر چوہا کُترا
آیا سنہ دو ہزار سترہ

سوچھتا، ابھیان، صفائی
نئی حکومت ہے یہ لائی
اب نہ رہے گا کوڑا کچرا
آیا سنہ دو ہزار سترہ

'بچوں کی دنیا' کی شعائیں
دل کھولاپوری کی دعائیں
رہیں گے ہر دم آپ کے ہمراہ
آیا سنہ دو ہزار سترہ

Abdur Razzaq
Qazi Pura, Post: Kholapur
Distt.: Amrawati- 444802 (Maharashtra)

سید اسید علی تابش

کہانی

سردی اور سوئیٹر

جاڑوں کے درمیانی دن تھے۔ صبح صبح ہر طرف لوگ رنگ برنگے سوئیٹرس زیب تن کیے ہوئے نظر آتے۔ اسکول کے راستوں پر طلبہ اور اساتذہ شدید سردی سے بچنے کے لیے سوئیٹر، گلووس اور اون کی ٹوپیاں پہنے ہوئے گزرتے تو کشمیر اور شملہ کا گمان ہوتا۔

دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہونے لگی تھیں جیسے نانی اماں کی لمبی کہانیاں۔ دوپہر میں تھوڑی دھوپ چھنتی تھی وہ بھی کسی ریشمی آنچل کی طرح نازک، ایسے میں فقط ٹیلی ویژن کے اشتہارات تھے جو پنے اشتہارات میں مختلف کمپنیوں کے سوئیٹرس کی تشہیر کے لیے سردی میں گرمی کا احساس کراتے رہتے۔

اس ٹھٹھرانے والی سردی میں جلیل میاں روزانہ صبح سویرے ہی نیند سے بیدار ہوجاتے اور فجر کی نماز ادا کرتے۔ اس وقت تک گھر کے بچے جوں کے توں گرم رضائیوں میں پڑے رہتے۔ جلیل میاں بچوں کو نیند سے جگانے کی ناکام کوشش کرتے اور ساتھ ہی نصیحت آمیز ڈانٹ ڈپٹ کرتے جاتے۔

''سردی کو جتنا محسوس کرو اس کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔''

''ہم تو اپنے بچپن میں بڑی آگ جلاتے جسے دیہاتوں میں 'تاپ' کہتے ہیں اور اسی سے حرارت پاکر کام دھندوں پر نکل جاتے۔ یہاں شہروں میں وہ باتیں کہاں، ان کی انہی باتوں میں سورج نکل آتا اور جلیل میاں اپنی ہاتھ گاڑی (ٹھیلا) لیے سبزی منڈی کی طرف نکل پڑتے۔

ان کے تین بیٹے تھے۔ فرحان، ریحان اور مہران۔ تینوں دو تین سال کے فرق سے پیدا ہوئے تھے۔ بڑا بیٹا فرحان چودہ سال کا تھا، ریحان 11 سال اور سب سے چھوٹا مہران 9 سال کا تھا۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے جلیل میاں اس کا لاڈ و پیار بھی زیادہ کرتے۔ بچوں کی شرارتوں پر وہ جب بھی ڈانٹ ڈپٹ کرتے مہران اس سے بچا رہتا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ کوئی غیر اخلاقی حرکت کرے۔

جلیل میاں ایک سبزی فروش پھیری والے تھے۔ وہ صبح

صبح سبزی منڈی چلے جاتے۔ ان کی ہاتھ گاڑی اب پرانی ہو رہی تھی اور ان کے چہرے پر بھی بڑھتی عمر کی تھکان نمایاں تھی۔

موٹے عدسوں والے چشمے کی ایک ڈنڈی نہیں تھی اس لیے اسے دھاگے کی ڈوری کی مدد سے باندھ رکھا تھا۔ جلیل میاں، سبزی منڈی کی اوبڑ کھابڑ گلیوں سے گزرتے تو ان کا جوش دیکھتے ہی بنتا۔ منڈی میں پتہ نہیں دلالوں اور بیوپاریوں میں کاہے کی گرمی ہوتی کہ وہ اس ٹھٹھرتی سردی میں بھی چیخ چیخ کر بھاؤ تاؤ طے کرتے۔

سبزی منڈی جانے سے پہلے بچوں کو نیند سے جگانے کی کوشش بھی روز کا معمول بن گئی تھی۔ آج جب انھوں نے دیکھا کہ کوئی بھی نیند سے نہیں جاگا تو ایک الگ ہی تقریر شروع کردی۔ ''ارے کم بختو! تم کیا سمجھتے ہو میں سبزی بیچنے سول لائن کے علاقے میں گیا تھا۔ وہاں بچے، عورتیں اور مرد سب صبح ہی جاگ جاتے ہیں اور مختلف قسم کی ورزش کرتے ہیں۔ کوئی چہل قدمی کررہا ہے تو کوئی ہلکی دوڑ لگا رہا ہے اور کوئی یوگا کر رہا ہے۔ کہتے ہیں صبح کے وقت کی ہوا آکسیجن سے بھرپور اور تازہ ہوتی ہے جس سے سارا دن تازگی رہتی ہے۔'' جلیل میاں کی اس تقریر کا دوسرے بچوں پر تو کوئی اثر نہیں ہوا۔ ہاں! سب سے چھوٹا مہران آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ اٹھتے ہی سوئیٹر کی فرمائش کرنے لگا۔

''ابو سب بچے سوئٹر پہن کر اسکول آرہے ہیں، صرف میرے ہی پاس سوئیٹر نہیں ہے۔ مجھے آج ہی سوئیٹر چاہیے۔ ورنہ میں اسکول نہیں جاؤں گا۔'' جلیل میاں پر مہران کی دھونس سے زیادہ اس کے ننھے بدن کو لگتی سردی کا احساس ہونے لگا۔

گھر سے نکلتے ہی ان کی چال تیز ہوگئی۔ وہ جلد سبزی منڈی پہنچنا چاہتے تھے۔ مہران نے جب سے سوئیٹر کا مطالبہ کیا تھا انھیں ہر طرف رنگ برنگے سوئیٹر ہی نظر آرہے تھے۔ سبزی منڈی میں گاڑیوں میں سبزی بھرتے جمال، مول تول کرتے دلال اور تاجر۔ چائے کی کینٹین پر کام کرنے والا چھوٹا سا انور، سب اپنے پتلے پتلے چیتھڑوں میں ہی سردی کا مقابلہ کررہے تھے مگر چشم تصور میں جلیل میاں کو صرف سوئیٹر ہی نظر آرہے تھے۔ آج انھوں نے سبزی بھی زیادہ خریدی اور تیز تیز قدموں سے سول لائن کی طرف جانے لگے۔ سورج نکل آیا تھا۔ کالونی کے آسودہ حال لوگ صبح کی چہل قدمی اور ورزش سے واپس آرہے تھے۔ جلیل میاں نے سبزی فروش کی اپنی مخصوص صدائیں لگانی شروع کیں۔ ''تازہ تازہ ٹماٹر، آلو، بیگن اور پالک لے لو۔ لہسن، پیاز اور ہرا دھنیا لے لو۔'' گاہکوں کی بات چیت میں

سردی کا ہی ذکر ہونے لگا۔ جلیل میاں نے اپنی سبزی پر روپے دو روپے کی قیمت کا اضافہ کردیا۔ گاہک بھاؤ تاؤ کی بات کرتے تو یہ کہتے ''دیکھتے نہیں صاحب کتنی سردی پڑ رہی ہے۔''

گاہک کی مسکراتی آنکھیں کہتیں ''بھائی قیمت اور سردی میں کیا تال میل ہے؟'' جلیل میاں تو صرف ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔ مال جلد بیچنا ہے۔ ہوا بھی ایسا ہی۔ جلد ہی انھوں نے دوپہر سے پہلے پہلے اس کالونی کا چکر پورا کرلیا۔

بازار جاکر اور بھی مال لے آئے۔ شام تک سبزی بیچتے رہے۔ اس بھاگ دوڑ میں انھیں کھانے کا بھی دھیان نہ رہا۔ بعد نماز مغرب ایک ہوٹل پر بیٹھ کر چائے پی اور حساب کتاب جوڑنے لگے۔ آج منافع بھی دوگنا ہوا۔ کچھ روپے دوسری جیب میں رکھے۔ باقی کے اوپر کی جیب میں۔ تھوڑا سا آرام مل جانے پر تازہ دم ہوکر اٹھے اور مہران کے سوئیٹر کے لیے چل دیئے۔

مارکیٹ میں ہر طرف چمچماتے شیشوں میں سے رنگ برنگے سوئیٹرس بہت بھلے لگ رہے تھے۔ جلیل میاں کے جیب میں پیسے تھے اس لیے دل میں خوشی اور آنکھوں میں چمک لیے وہ ایک دکان میں داخل ہوئے۔ مہران کے لیے سوئیٹر پسند کیا۔ بھاؤ تاؤ کیا اور قیمت ادا کی۔ دکان سے باہر نکلے تو کہیں کہیں عشا کی اذان کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ یہاں سے اپنے گھر جانے کے لیے جلیل میاں نے اپنی رفتار بڑھادی۔ وہ اب جلد گھر پہنچنا چاہتے تھے۔ سردی کی راتوں میں بچے جلدی بستر میں دبک جاتے ہیں۔ وہ سوئیٹر کی خوشی مہران کے چہرے پر دیکھنا چاہتے تھے۔ ٹھٹھرتی سردی میں وہ مہران کے سوئیٹر کو سینے سے چمٹائے تیز تیز قدموں سے جا رہے تھے اور انھیں اس سردی میں گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔

■

Sayyed Osaid Ali Tabish
Baarsi Takli
Distt.: Akola - 444401 (Maharashtra)

اسلم جاوداں

میں افسر بنوں گا

"بیٹا اتنی رات گئے تک کیوں پڑھتا ہے؟ دن بھر کام کرنا اور رات دیر تک پڑھنا، تیری تو صحت خراب ہو جائے گی۔"

"ماں! مجھے آئی اے ایس افسر بننا ہے۔"

"باپ رکشہ چلاتا ہے اور بیٹا کلکٹر (افسر) بنے گا؟"

ماں بے چارگی سے بولی۔

"ماں انسان کو اپنی سوچ ہمیشہ اونچی رکھنی چاہیے اور ارادہ پکا۔ اللہ ضرور کامیابی دے گا۔"

"دن رات محنت کرے گا تو بیمار پڑ جائے گا بیٹا۔"

"ماں مجھے پیسہ جوڑ کرنا ہے اس لیے میں دن میں ہوٹل میں بیرا گیری کرتا ہوں، تا کہ فیس جمع کر سکوں اور رات میں پڑھتا ہوں۔ افسر بننے کے لیے بہت پڑھنا پڑتا ہے ماں!"

شیخ انصار نے ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اف! پھر وہی! اس کو تو افسری کا بھوت سوار ہے۔"

ماں بڑبڑاتے ہوئے چلی گئی۔

شیخ انصار مہاراشٹر، جالنہ کے قصبہ شیل میں ایک نہایت غریب رکشہ والے کے گھر پیدا ہوا۔ جس کے پاس نہ تو ڈھنگ کی کاپی و کتاب ہوتی اور نہ ہی پہننے کے لیے تن پر ڈھنگ کا کوئی لباس۔ وہ اسکول اس لیے دیر سے پہنچتا کہ کلاس میں اس کے اساتذہ اس کے پھٹے پرانے کپڑے نہ دیکھ لیں۔ غریب انصار بے حد ذہین اور محنتی لڑکا تھا۔ وہ ہمیشہ اونچے خواب دیکھتا اور اسے پورا کرنے کے لیے انتھک کوشش کرتا۔ وہ عام لڑکوں کے برعکس کھیل کود، موبائل، لیپ ٹاپ سے بالکل دور، کتابوں کی

دنیا میں غرق رہتا۔ گھر میں بھر پیٹ کھانا کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ وہ اسکول میں دو پہر کو ملنے والی کھچڑی سے اپنا پیٹ بھرتا۔ غربت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے باپ سے قلم کے لئے پانچ روپے بھی مانگتے ہوئے ڈرتا تھا۔

غربت سے تنگ آکر ایک دن اس کے باپ نے اسکول جا کر ہیڈ ماسٹر سے اس کا نام کاٹ دینے کو کہا تا کہ وہ کما کر گھر لائے اور خانہ داری میں ہاتھ بٹائے۔ مگر اس کے دور اندیش اور شفیق ٹیچر نے اس کے باپ کو سمجھایا کہ تمہارا بیٹا بہت ہونہار ہے۔ تھوڑے دن تکلیف برداشت کرلو۔ پھر تمہارے اچھے دن آجائیں گے۔

باپ مان جاتا ہے اور بیٹا اپنی دن رات کی محنت اور لگن سے میٹرک کا امتحان شاندار طریقے سے پاس کر لیتا ہے۔

شیخ انصار اپنے خواب کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن پیسے نہیں رہنے کے سبب کبھی کبھی وہ ہمت ہار جاتا۔ ایسے میں اس کا چھوٹا بھائی اس کی ہمت بڑھاتا اور کہتا بھیا! تم پڑھنے میں بہت تیز ہو، میں تمہیں کما کر پڑھاؤں گا۔ تم ضرور افسر بنو گے۔

شیخ انصار پونے جا کر پڑھائی کرنے لگتا ہے۔ چھوٹا بھائی اس کے لئے نوکری کرتا اور ہر مہینے اپنی تنخواہ کے چھ ہزار روپے اس کے اکاؤنٹ میں ڈال دیتا اور کہتا۔ ''بھیا پڑھ کر بڑا افسر بننا''۔ پونے میں پڑھائی کے دوران شیخ انصار کو کتاب خریدنے کے لیے مزید 16 ہزار روپے کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ ہمت نہیں ہارتا ہے اور آٹھ کیلو میٹر دور جا کر ایک پرائیوٹ دکان میں نوکری کرتا ہے اور پھر پیسے جمع کر کے کتابیں خرید لیتا ہے۔

اب شیخ انصار اپنے خواب کو پورا کرنے کے لیے اپنی تمام خواہشوں اور خوشیوں کو تیاگ کر دن رات پڑھائی کرنے لگا۔ گریجویشن کا امتحان اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ پاس کیا اور پھر وہ دن بھی آیا جب وہ مہاراشٹر پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں افسری کا خواب لیے شامل ہوا۔ مگر قسمت کی دیوی روٹھی تھی وہ اس امتحان میں دو دو بار ناکام ہوگیا۔ لیکن شیخ انصار نے ہمت بالکل نہیں ہاری۔ پھر وہ انتظامی امور کو سنبھالنے والے ملک کے سب سے بڑے امتحان یو پی ایس سی میں شامل ہوا اور اپنی محنت ولگن کی بدولت یکے بعد دیگرے دونوں مرحلوں کے امتحان میں کامیاب ہوگیا۔

انٹرویو کے بعد وہ ریزلٹ کا انتظار کرنے لگا ریزلٹ کے دن اس کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ دن بھر سائبر کیفے میں رہا۔ لیکن اس دن ریزلٹ نہیں نکلا۔ دوسرے دن اس کی بھوک پیاس ختم ہوگئی۔ ایک گھبراہٹ سی طاری تھی۔ پتہ نہیں کیا ہوگا؟ ''یا اللہ میرا خواب......'' وہ حسرت سے آسمان کی طرف دیکھنے لگتا۔ کبھی وہ بدحواس ہو کر کھڑا ہو جاتا، کبھی گھبراہٹ میں بیٹھ جاتا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ یہ اس کے دوست کا فون تھا۔ اس کا دل بے اختیار دھڑکنے لگتا ہے۔ گھنٹی بجتی رہتی ہے۔ مگر وہ اسے اٹھانے کی ہمت نہیں کر پاتا ہے اور فون بند ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد پھر گھنٹی بجتی ہے اور وہ اپنے آپ کو پوری طاقت سے سنبھالتا ہے اور ہمت کر کے بٹن دبا دیتا ہے۔

''ہیلو!'' ادھر سے جواب آتا ہے۔

''Congratulations! مبارک ہو دوست''۔

اسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے دل دھڑک کر باہر آجائے گا۔ وہ ایک بار پھر ہمت بٹور کر ''ہیلو'' کہتا ہے۔ ''دوست مبارک ہو'' تم آئی اے ایس کمپٹیشن میں کامیاب ہوگئے''۔ اس کا دوست خوشی سے بے قابو ہو کر بولتا ہے۔ شیخ انصر کی آنکھوں میں خوشی سے بے اختیار آنسو

نکل پڑتے ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ وہ بے تحاشہ سجدے میں گر پڑتا ہے۔ "اللہ تیرا کرم ہے۔"

جب اس کے اوسان بحال ہوتے ہیں، تو وہ سجدے سے سر اٹھاتا ہے اور دوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے۔

"ماں میں افسر بن گیا، ماں میں افسر بن گیا۔"

وہ خوشی سے چیخ پڑتا ہے۔ ماں اور بہنیں اس سے لپٹ کر خوشی سے رونے لگتی ہیں۔ شیخ انصار بیتاب تھا کہ اپنے باپ کو بھی اتنی بڑی خوشخبری سنائے۔ اس نے فون کیا۔ اس کے باپ نے جواب دیا۔

"ابھی رکشہ چلا رہا ہوں۔ آواز صاف نہیں آرہی ہے۔ گھر آکر بات کروں گا۔"

شیخ انصار کہاں رکنے والا تھا۔ وہ سڑکوں کی طرف دیوانہ وار دوڑا۔ ایک جگہ اس کا باپ ایک آدمی سے پیسے وصول کر رہا تھا۔ وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

"ابا میں افسر بن گیا، ابا میں افسر بن گیا۔"

اس کا باپ کچھ دیر حیرت سے منھ پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بیٹے کو تھپتھپا کر بولا۔

"شاباش بیٹا شاباش! میں ابھی گھر آتا ہوں۔"

"نہیں ابھی چلیے۔"

شیخ انصار اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے گھسیٹتا ہوا گھر لے آیا۔ ماں اور بہنیں بے چین تھیں۔ سب ایک ساتھ بیٹھ کر خوشی سے رونے لگے ہیں۔ پھر اچانک شیخ انصار اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور بولتا ہے۔

"ابا اب تم رکشہ چلانا بند کر دو۔ اور ماں تم بھی کھیت پر کام کرنے نہیں جاؤ گی۔ اب تمہارا یہ بیٹا تمہیں کما کر کھلائے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ماں اور باپ دونوں کی پیشانی کو احترام اور محبت سے چوم لیا۔

پیارے بچو! یہ کوئی کہانی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ ملک کے انتظامی امور کو سنبھالنے والے سب سے بڑے امتحان یو پی ایس سی میں بے انتہا غربت کے باوجود مہاراشٹر، جالنہ کے ایک قصبے سے تعلق رکھنے والے ایک غریب رکشہ والے کے بیٹے شیخ انصار نے اپنی انتھک محنت اور لگن سے نمایاں کامیابی حاصل کر کے مسلم بچوں کو ایک بڑا پیغام دیا ہے کہ اگر پوری لگن اور محنت سے پڑھا جائے اور ارادہ اٹل ہو تو غربت اور مشکل حالات کے باوجود انسان بڑے سے بڑے امتحان میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ شیخ انصار اس بار یو پی ایس سی میں کامیاب ہونے والے امیدواروں میں سب سے کم عمر ہے۔

بچو! آپ بھی شیخ انصار کی زندگی سے سبق لیں اور کچھ بڑا کر کے دکھائیں۔

■

Dr. Aslam Jawedan
"Darul Gheyas", Near Hotel Blue Diamond,
Sabzibagh, Patna-800004

طٰہٰ نسیم

پیٹ ہڑتال پر

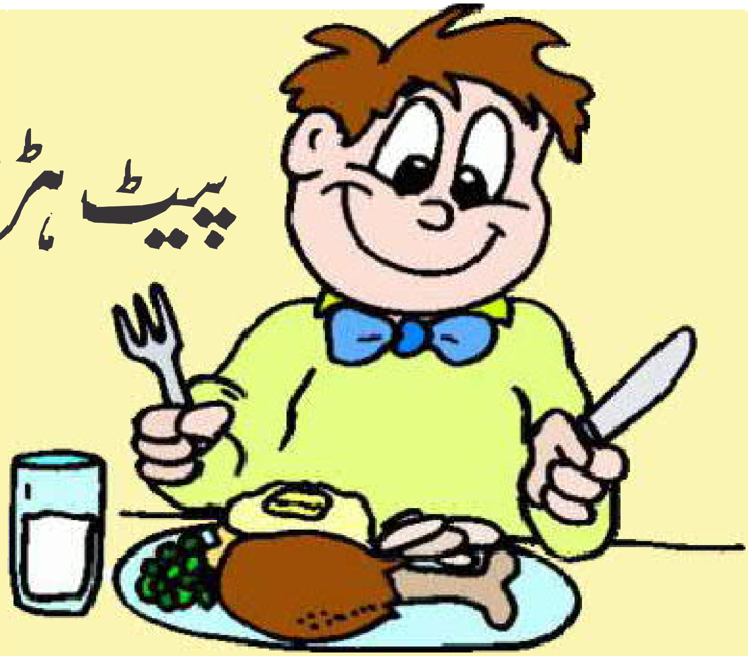

حسین میاں ایک خوب صورت لڑکے تھے۔ گورے چٹے بڑی بڑی آنکھیں ستواں ناک اور ماتھے تک گھنگھریالے بال۔ جب بھی وہ گھر سے نکلتے تو دادی اماں بلائیں لیتیں اور والدہ ماتھے پر کالا ٹیکہ لگا دیتیں کہیں نظر نہ لگ جائے۔ حسین میاں کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ میں ایک خوب صورت بچہ ہوں۔ اچھی صورت کے لیے وہ خدا کا شکر ادا کرتے اور خوب صورت چہرے کے ساتھ ساتھ خوب سیرت بننے کی دعا کرتے رہتے۔ وہ بڑوں کا ادب کرتے، اسکول میں جو کچھ پڑھایا جاتا بڑی محنت سے یاد کرتے، اپنے ساتھیوں کی مدد کرتے اور ہمیشہ صاف ستھرے رہتے۔ حسین میاں اپنے چہرے کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بالوں میں کنگھا کرتے اور چہرے کو دھول مٹی اور دھوئیں سے بچاتے۔

ایک دن حسین میاں کے پیٹ کو یہ دیکھ کر بڑا برا لگا کہ وہ اپنے چہرے کا خاص خیال رکھتے ہیں جبکہ پیٹ دن بھر کھانا ہضم کر کے ان کی صحت کا خیال رکھتا ہے۔ صبح اٹھ کر ہی کام میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ناشتہ، دوپہر کا کھانا شام کی چائے اور رات کا کھانا۔ درمیان میں کوئی دوست آ گیا یا حسین میاں کسی رشتے دار یا ملنے والے کے یہاں چلے گئے تو ایک ناشتہ اور ہو جاتا ہے۔ پیٹ میں معدہ، جگر، آنتیں، پتہ اور گردے جیسے اہم اعضا ہیں۔ اگر ان کا نظام صحیح ہے تو انسان صحت مند رہتا ہے۔ ان میں ایک بھی صحیح طرح سے کام نہ کرے تو ہٹا کٹا پہلوان بھی کھاٹ پکڑ لیتا ہے۔

پیٹ نے سوچا سبھی چہرے کی تعریف کرتے ہیں کوئی اس کی تعریف نہیں کرتا۔ نہ حسین میاں کبھی اس پر توجہ دیتے ہیں۔ پیٹ نے یہ سوچ کر سینے سے حسین میاں کی شکایت کی کہ وہ گردن کے نیچے والے حصے پر توجہ دیتے ہی نہیں۔ سینے نے پیٹ کو سمجھایا ”ہم بھی تو حسین میاں کے ہی جسم کا حصہ ہیں۔ اگر کوئی ان کی تعریف کرتا ہے تو اس میں ہم بھی شامل ہیں۔

انسان کا منھ، سینہ، پیٹ اور ٹانگیں وہاتھ پاؤں مل کر ہی پورا وجود بنتا ہے۔ سر سے پاؤں کے ناخن تک پورا انسان کہلاتا ہے۔ اس لیے تم دل چھوٹا نہ کرو۔ لیکن پیٹ اپنی ضد پر اڑا رہا اور یہی دوہراتا رہا کہ حسین میاں چہرے کے علاوہ دیگر اعضا پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔

دل نے اسے سمجھایا ”بھائی چہرہ ہی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ جب بھی ہم کسی انسان سے ملتے ہیں تو اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس کا رویہ دوستانہ ہے یا غیر دوستانہ، سامنے والا سنجیدہ اور خوش مزاج ہے یا غیر سنجیدہ اور بدمزاج۔ چہرہ سے ہی خوشی، غم، پسند ناپسند، درد یا راحت کے تاثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ ہم تو کپڑوں کے اندر رہتے ہوئے اپنا کام کرتے ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے الگ سے تعریف کی لیکن جناب پیٹ کے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

ایک دن اس نے کیا بیوقوفی کی کہ معدے آنتوں اور جگر کو بطور احتجاج بند کرنے کو کہہ دیا۔ سب نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ معدے نے کھانا ہضم کرنا بند کردیا اور جگر نے بھی اپنے کام میں سستی برتنی شروع کردی۔ بے چارے حسین میاں تو بدہضمی کے شکار ہوگئے۔ کئی دن ڈاکٹر سے کڑوی کسیلی دوائیں لیں اوران کا گلاب سا چہرہ مرجھا گیا۔ یہ دیکھ کر پیٹ کو بڑی خوشی ہوئی اور اس نے ہڑتال جاری رکھی۔ بدہضمی اور جگر کے فعل کی سست رفتاری سے حسین میاں اور بیمار ہوگئے۔ یہاں تک کہ انھیں نرسنگ ہوم میں داخل کرانا پڑا۔ ان کے گھر والے سخت پریشان تھے۔ سبھی ان کی صحت کے بارے میں فکرمند ہوکر شفا کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔ بدہضمی کے سبب ہونے والی کمزوری کا اثر پورے جسم پر پڑنے لگا یہاں تک کہ معدے اور آنتوں میں درد ہونے لگا۔ جگر بھی بیمار ہوکر سست پڑ گیا۔ اوپر سے کڑوی کسیلی دوائیں معدے اور آنتوں میں اُترتیں تو ان کا مزاج بھی بگڑ جاتا۔ جسم کے سبھی اعضا پیٹ کو برا بھلا کہنے لگے کہ اس کی بیوقوفی کی وجہ سے وہ سب پریشان ہیں۔ سب سے زیادہ تو پیٹ کے اندر کے اعضا دکھی تھے۔ خود پیٹ دھنس کے اندر چلا گیا تھا اور پسلیاں باہر نکل آئی تھیں۔ پیٹ کو اپنی یہ حالت دیکھ کر بڑی شرم آرہی تھی۔ اوپر سے سبھی اعضا کی لعنت ملامت سننے کو مل رہی تھی۔ آخرکار اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے فوراً اپنی اصلاح شروع کردی۔ چند روز میں ہی حسین میاں پہلے کی طرح صحت مند ہوگئے اور ان کا چہرہ بھی کھل اٹھا۔ پیٹ کو یہ احساس ہوا کہ سب کے ساتھ مل جل کر کام کرنے میں ہی بہتری ہے۔ اگر کوئی شخص ضد کی بنا پر اپنے ہی ساتھی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو وہ خود بھی نقصان اٹھاتا ہے۔

■

Taha Naseem
2793, Pahari Bhojla
Delhi - 110006

عبدالخالق

ماں کی زندگی

ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک نوجوان ایک ضعیفہ کے پاس دوزانو بیٹھا ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔ جھونپڑی کیا تھی بس اس کے نام پر پھوس کا ایک چھپر جس سے آسمان کے تاروں کو گننا کوئی مشکل نہ تھا اور دیواروں کے ٹاٹ کسی ٹرین کے ڈبے کی کھڑکیوں کی مانند۔ جس سے گزر کر برفیلی ہوائیں ٹھنڈ میں اضافہ کررہی تھیں۔ ان تیز وتند ہواؤں سے بچنے کی ناکام کوشش میں نوجوان نے پھٹی ہوئی ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ رکھی تھی جبکہ بوڑھی عورت کے جسم پر بوسیدہ بوریئے کے ٹکڑے پڑے تھے۔ تیل کا ایک چراغ طوفانوں سے لڑ کر روشنی پھیلانے کی ناکام کوشش کررہا تھا۔ ایک نحیف سی صدا فضا میں ابھرتی ایسا معلوم ہوا کہ یہ آواز کافی دور سے آرہی ہے۔

نوجوان چونک کر آواز کی سمت متوجہ ہوا۔

تو ابھی تک جاگ رہا ہے بیٹا! اِس سرد رات میں۔ جا کر سو جا ورنہ سردی لگنے کا خدشہ ہے۔ ممتا سے بھری ہوئی آواز ابھری۔

اماں ابھی زیادہ رات تو ہوئی نہیں ہے چونکہ جاڑے کی رات ہے لہٰذا لمبی لگتی ہے آپ فکر نہ کریں میں بالکل محفوظ ہوں۔ یہ ہوائیں میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گی اس نے بڑی اپنائیت سے اور مضبوط لہجے میں کہا تو عورت ہنس پڑی۔

تو بڑی ضدی طبیعت کا ہے۔ میں نے یوں کہا کہ دن بھر نوکری کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے تھک جاتے ہو اور اب تک میری خدمت میں لگے ہو۔ جا کر تھوڑا سا آرام کرلو۔ کل پھر سڑک کی خاک چھاننی پڑے گی۔ کھانستے ہوئے بوڑھی عورت نے کہا۔

اماں! وہ اٹھلا کر بولا۔ آپ کی خدمت کر کے دن بھر کی تمام تھکن بھول جاتا ہوں اور مجھے ایک طرح کی روحانی تسکین ملتی ہے۔ جب آپ کے سامنے آتا ہوں تو ہماری ناکامی اور

پریشانی خود بخود جاتی رہتی ہے۔ ماں تو ایک ایسا نادر ہیرا ہے جو نصیب والوں کو ہی ملتا ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ کون بدنصیب ہوگا جو اس جنت کو نہ لینا چاہے گا اور آپ مجھے اس سے منع کررہی ہیں۔

ارے نہیں پگلے! عورت خوش ہوتے ہوئے بولی۔ مجھے فخر ہے کہ تم جیسا میرا بیٹا ہے اور جس ماں کا تم جیسا بیٹا ہو اسے اور کیا چاہیے۔ عورت نوجوان کو اپنے پاس بٹھا کر شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا شمع کو بجھا گیا۔ ساتھ ہی بوڑھی عورت کی ایک دل خراش چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ نوجوان نے گھبرا کر بوڑھی عورت کو اپنی بانہوں میں سنبھالا۔ کیا ہوا اماں۔ بتایئے اماں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے اس نے جلدی سے عورت کو چھوڑ کر شمع روشن کی۔ دیکھا اماں لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھیں۔ اس نے ٹھنڈے پانی کے چند قطرے جھری زدہ چہرے پر چھڑکے جس سے اُسے دھیرے دھیرے ہوش آنے لگا۔ اماں نے آنکھیں کھول دیں اور نوجوان کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ میرے لال، میرے لخت جگر، خدا نہ کرے تمھیں کچھ ہو...... وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ درمیان میں لڑکے نے ٹوک دیا۔ آپ ایک چراغ کے بجھنے سے اتنی پریشان کیوں ہوگئیں۔

آہ! بیٹے ساحل۔ اس نے ایک لمبی سانس فضا میں چھوڑی۔ یہ حادثہ ماضی کی یاد تازہ کرگئی ہے آج ہی کی طرح وہ بھی جنوری کی ٹھٹھری ہوئی تاریک رات تھی۔ سردی کا ہر طرف راج تھا۔ باہر خوفناک سناٹا تھا۔ میں اپنے گھر میں شمع روشن کیے ہوئے کسی کتاب کا مطالعہ کررہی تھی۔ اس وقت یہ جھونپڑی نہ تھی بلکہ ایک خوب صورت عمارت تھی۔ آرام و آرائش کی تقریباً ہر چیز میسر تھی۔ تمہارے والد سرکاری ملازمت کرتے تھے زندگی ہنسی خوشی بسر ہورہی تھی۔ ہم لوگ خدا کے شکرگزار تھے۔ تمہارے والد ڈیوٹی سے چھٹیوں میں اکثر راتوں کو ہی ہر ہفتہ گھر آیا کرتے تھے۔ اس دن بھی ان کو گھر آنا تھا۔ چنانچہ میں انتظار کررہی تھی۔ یکایک ہوا کا ایک جھونکا شمع کو نگل گیا۔ پورے گھر میں تاریکی چھاگئی۔ مجھے کیا معلوم کہ یہ آنے والے کسی حادثے کا سگنل ہے۔ میں نے اسے ایک معمولی سی بات سمجھ کر نظرانداز کردیا۔ دوبارہ شمع روشن کرکے انتظار کرنے لگی۔ انتظار کرتے ہوئے وہ رات میری آنکھوں میں کٹ گئی اور صبح کو...... اس کی آواز میں لغزش پیدا ہوگئی...... اور صبح کو ان کی لاش میری آنکھوں کے سامنے تھی۔ تمہارے ابو کا انتقال ہوچکا تھا۔ ان کا ایکسی ڈنٹ ہوگیا تھا۔ اس کی آواز بھرا گئی...... ایک لمحہ خاموشی رہی پھر وہ کہنے لگی۔ وہ میری زندگی کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ میں وہ لمحہ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

ساحل خاموشی سے ساری باتیں سنتا رہا۔ عورت نے اپنی باتیں جاری رکھتے ہوئے کہا...... ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے رشتہ داروں نے ان کی جائیداد میں لوٹ مچا دی۔ میری کون سنتا، میں صرف خاموش تماشائی بنی رہی۔ بس تھوڑی سی زمین جو انھوں نے خریدی تھی اور کچھ بینک بیلنس۔ میرا سرمایہ تھا۔ چونکہ اس وقت ان کے ڈپارٹمنٹ میں پنشن کا رواج نہیں تھا۔ چنانچہ اس کی جو رقم ملی میں نے بینک میں جمع کرادی۔ میرے سامنے تمہارے مستقبل کا مسئلہ تھا۔ میں نے عزم کیا کہ تمہیں ہر حال میں اچھی تعلیم دلواؤں گی۔ سو میں نے کیا اور تم پوسٹ گریجویٹ ہوگئے۔ ساری رقم اور جائیداد ختم ہوچکی ہے۔ ادھر تمہیں نوکری نہیں مل رہی اور ہم اس حال کو پہنچ گئے ہیں۔

...... اور ہاں...... کہتے کہتے جیسے اچانک کچھ یاد آگیا ہو۔ اس نے نوجوان سے پوچھا۔

بیٹا! میری دوائی لائے ہو۔ کل تو کھانے کے لیے بھی نہیں ہے۔ عورت نے کہا اب تو یہ دوا ہی مقدر بن گئی ہے۔

ہاں اماں! آپ کی دوائی لے آیا ہوں۔ ساحل نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ کل آپ وقت پر دوا کھالیں گی۔ آپ فکر کرنا چھوڑ دیں۔

لیکن تم دوا لائے کہاں سے؟ تمہارے پاس تو روپے تھے نہیں......

وہ کیا ہے نہ اماں کہ میرا ایک دوست ہے میں نے اس سے کچھ روپے قرض لیے تھے۔ ساحل جھوٹ بول گیا۔ وہ جانتا تھا کہ مفلس کا کوئی دوست نہیں ہوتا......

کتنا قرض لو گے تم۔ آخر اسے واپس تو کرنا پڑے گا۔ زیادہ قرض پریشانی کا باعث ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں اماں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا انشاء اللہ وہ بڑا کریم ہے۔ تو میری فکر کرے میں مگر میں تیری فکر نہ کروں۔ آہ، چل جا کر آرام کرلے۔ اب سو جا۔ کافی رات گزر چکی ہے۔

امی آپ کے پاس سے جانے کا دل نہیں کرتا ہے۔ مگر آپ کہتی ہیں تو آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ ساحل ماں کے اوپر بوسیدہ کمبل ڈال کر اپنے بستر پر چلا گیا۔

سردی اپنے عروج پر تھی اور تیز و تند ہوائیں مسلسل سردی کو بڑھا رہی تھیں۔ رات کی تاریکی میں ایک سایہ ایک جانب محتاط انداز میں قدم بڑھا رہا تھا۔ خاموش فضا میں وقفے وقفے سے چوکیدار کی چیختی صدا بازگشت کر رہی تھی جو کبھی قریب سے اور کبھی دور سے آتی معلوم ہوتی تھی۔ سایہ آگے بڑھتا رہا۔ وہ شہر کی بارونق گلیوں میں پہنچ گیا۔ گلیوں میں کہیں کہیں اسٹریٹ لیمپ روشن تھے۔ اس روشنی سے خود کو بچاتے ہوئے وہ ایک دوکان کے سامنے رک گیا۔ ایک منٹ کو ٹھہرا اور قرب و جوار کا جائزہ لیتا رہا۔ مطمئن ہونے کے بعد جیب سے چابی کا چھلا نکال کر چند سکنڈ آزماتا رہا۔ پھر دوکان کا شٹر اوپر اٹھتا چلا گیا۔ وہ تیر کی طرح اندر گیا۔ جلدی سے ایک بوتل نکالی۔ شٹر بند کر رہا تھا کہ چوکیدار وہاں پہنچ گیا۔

اے۔ کون ہے؟ خبردار بھاگنا مت۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔ چوکیدار کی کرخت آواز سنائی دی۔ مگر وہ اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ چوکیدار بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

اتفاق سے گشتی پولیس کا ادھر سے گزر ہوا پولیس کو دیکھ کر چوکیدار چلایا۔ چور چور اُدھر گیا۔

پولیس اُدھر لپکی۔ پولیس کو دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے ایک تنگ سی گلی میں مڑنا چاہا اسی وقت سنسناتی ہوئی ایک گولی اس کے سینہ کے پار ہوگئی۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اتنی ٹھنڈک میں بھی اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ اس افراتفری سے کافی لوگ وہاں جمع ہوگئے۔

پولیس نے اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی شیشی نکالی۔ وہ ایک دوائی کی شیشی تھی۔ جبکہ دوسری جیب سے ایک پرچہ ملا جس پر تحریر تھا ”میں چور نہیں۔ وقت کا ستایا ہوا بے ضرر انسان ہوں۔ میں یہ دوائی ادھار لے جا رہا ہوں۔ اس سے میری ماں کی زندگی بچ سکتی ہے اور میں اس کی قیمت جلد ہی لوٹا دوں گا......“

رقعہ پڑھتے ہی بھیڑ پر سکتہ طاری ہوگیا جیسے وقت ایک لمحہ کے لیے ٹھہر گیا ہو......

■

Abdul Khaliq
AJK Mass Communication
Jamia Millia Islamia
New Delhi - 110025

حیدر بخش حیدری

آٹھویں قسط

قصہ حاتم طائی

اب تک آپ نے پڑھا کہ

ملک یمن میں بادشاہ طے کا شریف اور سخی بیٹا حاتم تھا۔ وہ لوگوں کی بھلائی اور دوسروں کی مدد کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتا تھا۔ خراسان کے ایک سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کی خوب صورتی کے چہار سو چرچے تھے۔ برزخ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپ دی تھی۔ حسن بانو بڑی نیک دل تھی۔ اس نے اپنے سوداگر باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنی شروع کردی۔ یہ دیکھ کر اس کی دایہ نے اُسے روکا کہ ابھی تمہاری بہت لمبی عمر ہے ایسے دولت نہ ختم کرو۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک شریک حیات کا انتخاب کرو۔ اچھے قابل اور بہادر انسان کی تلاش کے لیے سات سوال کرو۔ جو نوجوان سارے سوالات حل کرلے اُس سے شادی کرو اور چین وسکون کی زندگی گزارو۔ اسی بیچ ایک جعلی بزرگ نے حسن بانو کی ساری دولت لوٹ لی۔ حسن بانو اور اس کی بوڑھی دایہ ایک جنگل میں رہنے لگے۔ ایک رات حسن بانو کو خواب میں نظر آیا کہ جس درخت کے نیچے وہ سو رہی ہے وہاں سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ حسن بانو نے اٹھ کر دایہ کو اپنا خواب بتایا اور دونوں نے اس خزانے کو حاصل کیا اور جنگل میں عالی شان محل بنا کر رہنے لگیں۔ کچھ دنوں بعد حسن بانو نے ایک لڑکے کا بھیس بدلا اور خراسان کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی عقل مندی سے اُس جعلی پیر کی حقیقت سب کے سامنے لا دی۔ بادشاہ نے حسن بانو کی ساری دولت واپس کردی۔ شہر خوارزم کے شہزادے منیر شامی کو حسن بانو کے حسن کا علم ہوا۔ وہ حسن بانو کی محبت میں گرفتار ہو کر حسن بانو سے ملنے آ پہنچا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن بانو نے شرط رکھی کہ میرے ساتوں سوالوں کا جواب لا دو پھر میں تم سے شادی کروں گی۔ منیر شامی نے پہلا سوال دریافت کیا اور جواب ڈھونڈھنے نکل پڑا لیکن وہ ناکام

رہا۔اس کی ملاقات حاتم سے ہوتی ہے۔حاتم اسے دلاسا دیتا ہے اورحسن بانو کے پاس منیر شامی کو رکھ کر وہ پہلے سوال کا جواب لانے نکل پڑتا ہے۔حاتم ایک جنگل میں پہنچا جہاں اُسے ایک ہرنی ملتی ہے۔حاتم نے ایک بھیڑیے سے ہرنی کی جان بچائی اور آگے نکل گیا۔کچھ مہینوں کے بعد حاتم نے دشت ہویدا کی راہ لی جہاں اسے پہلے سوال کا جواب ملنا تھا۔بڑی مشکل سے حاتم دشت ہویدا پہنچا اور اس شخص سے ملاقات کی جو جنگل میں مارامارا پھر رہا تھا۔حاتم نے اس کی مشکل آسان کردی اور پہلے سوال کا جواب تلاش کرلیا۔حاتم واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس سے دوسرا سوال پوچھا اور اس کا جواب لانے نکل پڑا۔

راستے میں اُسے ایک نوجوان ملا۔حاتم نے اپنی بہادری سے اس کی مشکل حل کی اور اس کی شادی کرائی۔اس کے بعد حاتم آگے بڑھا۔راستے میں اس نے ایک بستی والوں کو ایک بلا سے نجات دلائی۔ایک شہزادی کو جن سے آزاد کرایا اور اس شہزادی سے شادی کرلی۔شادی کے بعد حاتم یوسف سوداگر کے کام کے لیے چین کی جانب چل پڑا اور یوسف سوداگر کی دولت زمین سے نکال کر خیرات کی۔واپس وہ یوسف سے ملنے آیا جہاں اب اس کی سزا ختم ہوچکی تھی۔اس کے بعد حاتم نے نیکی کر اور دریا میں ڈال کا بھید معلوم کیا اور واپس جا کر حسن بانو سے ملا اور تیسرے سوال ''کسی سے بدی نہ کر۔اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔'' کا جواب لانے نکل پڑا۔

حاتم کو کافی دیر چلنے کے بعد ایک بڑا پہاڑ دکھائی دیا جس پر ایک نوجوان پریشان حال کھڑا تھا۔حاتم نے اس کا حال دریافت کیا اور اس کی پریشانی دور کی۔بہت ساری مشکلات اور پریشانیوں کے بعد حاتم اپنی منزل پر پہنچتا ہے جہاں ایک نابینا بوڑھا آدمی موجود تھا جو چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ کسی سے بدی نہ کر۔اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔حاتم نے اس کی داستان سنی اور نور ریز گھاس کا عرق لاکر اُس کی آنکھوں میں ڈالا جس سے اُس کی آنکھوں کی روشنی واپس آگئی۔حاتم نے اسے خدا حافظ کہا اور واپس حسن بانو کے پاس پہنچا اور چوتھا سوال بتانے کی درخواست کی۔

حسن بانو نے حاتم سے کہا کہ چوتھے سوال ''سچے کو ہمیشہ راحت ہے'' کا جواب لے کرآ۔حاتم شاہ آباد سے نکلا اور چلتے چلتے پریوں اور جادوگروں کے پاس پہنچا اور احمر جادوگر کی بیٹی سے شادی کرلی۔شادی کے لیے حاتم کو کملاق اور احمر جادوگر سے جنگ کرنی پڑی۔حاتم نے حضرت خضر کے سکھائے اسم اعظم کی مدد سے سب کو زیر کرلیا۔اُس کے بعد چوتھے سوال کا بھید معلوم کیا اور واپس حسن بانو کی حویلی پہنچا اور پانچواں سوال پوچھا۔حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں کوہِ ندا کی خبر لانی ہے۔حاتم نکل پڑا۔حاتم کئی بستیوں،علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچا اور ایک موذی بلا سے جنگل کے جانوروں اور قریب میں رہنے والے لوگوں کو نجات دلائی۔اس کے بعد حاتم نے کوہ ندا کا حال معلوم کیا اور حسن بانو کو جا کر بتایا اور چھٹے سوال کی فرمائش کی۔

حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں کوہِ ندا کی خبر لانی ہے۔حاتم نکل پڑا۔حاتم کئی بستیوں،علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچا اور ایک موذی بلا سے جنگل کے جانوروں اور قریب میں رہنے والے لوگوں کو نجات دلائی۔اس کے بعد حاتم نے کوہ ندا کا حال معلوم کیا اور حسن بانو کو جا کر بتایا اور چھٹے سوال کی فرمائش کی۔

چھٹا سوال

مرغابی کے انڈے کے برابر موتی لانا

حسن بانو نے حاتم سے کہا ''اب میں اپنا چھٹا سوال بتاتی ہوں۔ میرے پاس ایک موتی ہے جو مرغابی کے انڈے کی برابر ہے۔ مجھے اس کے ساتھ کا دوسرا موتی چاہیے۔ کہیں سے ایسا موتی لاکر دے کہ میرے پاس ایک سے موتیوں کا جوڑا ہوجائے۔'' حاتم نے کہا ''اللہ مدد کرے تو ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے۔ اس نے چاہا تو یہ کام بھی ہوجائے گا۔'' یہ کہا اور باتوں سے اس کے کتنے کام بنے تھے۔ کان لگا کے ان کی باتیں سننے لگا۔

مادہ، نر سے بولی ''اِس جنگل میں رہتے برس بیت گئے مگر یہاں کی آب و ہوا ہمیں راس نہ آئی۔ کیوں نہ کہیں اور چلے چلیں۔'' نر نے کہا ''ہاں ٹھیک ہے۔ دن نکلے یہاں سے کہیں اور اُڑ چلیں گے۔'' اس کے بعد دونوں ذرا دیر چپکے بیٹھے رہے۔ مادہ نے پھر بات شروع کی۔ بولی ''اِس درخت کے نیچے کوئی مسافر بیٹھا ہے۔ جانے بیچارہ کس سوچ میں ہے اور کیوں اتنا پریشان ہے؟''

حسن بانو سے اجازت لے کر سرائے میں آیا۔ پھر منیر شامی سے رخصت ہوکر موتی کی کھوج میں چل پڑا۔

شاہ آباد سے پانچ کوس گیا ہوگا کہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یا اللہ بغیر اَتے پتے کے کیسے موتی کو ڈھونڈوں۔ گھنٹوں بیٹھا یہی سوچتا رہا۔ پھر شام ہوگئی۔ اس وقت سات رنگ کی چڑیا کا ایک جوڑا درخت پر آبیٹھا۔ دونوں باتیں کرنے لگے۔ حاتم جانوروں کی باتیں سمجھتا تھا۔ اور ان کی

نر بولا ''یہ یمن کا رہنے والا ہے۔ حاتم اس کا نام ہے۔ ہر وقت دوسروں کی بھلائی میں لگا رہتا ہے۔ منیر شامی ایک نوجوان ہے۔ اِس وقت یہ اُس کے کام سے نکلا ہے۔ اسے ایسا موتی چاہیے جو مرغابی کے انڈے کی برابر ہو۔ اِس وقت سوچ رہا ہے کہ اس کی تلاش میں کدھر جاؤں۔'' وہ بولی ''کیا ایسا کوئی نہیں جو اُس موتی کا پتہ بتا سکے؟'' نر بولا ''میں جانتا ہوں کہ ایسا موتی کہاں ہے اور کس طرح مل سکتا ہے۔ کہو تو

ابھی اسے بتا دوں۔“ مادہ نے کہا ”اگر ہم اس کی کوئی مدد کر سکیں تو اچھی بات ہی ہے۔“

نر بولا ”میں بتاتا ہوں کہ اس موتی کا قصہ کیا ہے۔ قہرمان نام کا ایک دریا ہے۔ پرانے زمانے کی بات ہے کہ اس کے کنارے ایک پرندہ رہتا تھا۔ وہ تیس برس کے بعد ایک انڈا دیتا تھا۔ یہ انڈا اصل میں موتی ہوتا تھا۔ ایک بار اُس نے دو انڈے دیے۔ اُن میں سے ایک انڈا پریوں کے بادشاہ شمس شاہ کے ہاتھ لگا۔ دوسرا انڈا برزخ کے جزیرے میں ماہ یار سلیمانی کے پاس رہا۔

”حسن بانو کے پاس جو موتی ہے وہ شمس شاہ والا ہے۔ یہ بہت گھومتا پھرتا اس کے پاس پہنچا۔ دوسرا ابھی تک ماہ یار سلیمانی کے پاس ہے۔ اگر حاتم اُس تک پہنچ جائے تو وہ موتی مل سکتا ہے۔ اُس نے موتی کے لیے ایک شرط مقرر کی ہے۔ وہ یہ پوچھتا ہے کہ یہ موتی آیا کہاں سے۔ جو یہ بتا دے موتی اُسی کا ہے۔“ مادہ بولی ”اگر یہ جوان ہماری زبان سمجھتا ہے تو کام بالکل آسان ہے۔ جائے اور تمھارا سنایا ہوا قصہ دہرا دے۔“ نر بولا ”یہ کام اتنا آسان نہیں۔ برزخ کے جزیرے تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ راستے میں بہت سے خطرے ہیں۔ وہ ملک دیوؤں کا ہے۔ وہ آدم زاد کو پائیں تو جیتا نہ چھوڑیں گے۔“

نر کا جواب سن کر مادہ پریشان ہو گئی۔ بولی ”آخر وہاں پہنچنے کا کوئی طریقہ بھی ہے؟“ نر بولا ”ہاں۔ اِسے چاہیے کہ ہمارے تھوڑے پر اپنے پاس رکھ لے تو بہت کام آئیں گے۔ اُس ملک میں خوفناک جانوروں کا بہت ڈر ہے۔ اگر ہمارے پروں کو جلا کر جسم پر مل لیا جائے تو جانور دور بھاگ جائیں گے۔ لال پروں کے ملنے سے صورت بھی دیوؤں کی سی ہو جائے گی اور دیو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔“ مادہ بولی ”پھر وہ دیو سے آدمی کیسے بنے گا؟“ نر نے جواب دیا ”وہ ہمارے سفید پر بھی احتیاط سے رکھ لے۔ جب انھیں جلا کر راکھ جسم پر ملے گا تو اپنی اصلی شکل میں آ جائے گا۔“

”جب یہ اصلی شکل میں آ جائے گا تو دیو اسے پکڑ کر ماہ یار سلیمانی کے پاس لے جائیں گے۔ وہ اس سے پوچھے گا کہ ”تو کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے؟“ اُس وقت یہ اپنے جانے کا سبب بتائے گا اور ماہ یار اِس سے موتی کی پیدائش کا حال پوچھے گا۔ اِسے چاہیے کہ مجھ سے سنا ہوا قصہ یہ اُسے سنا دے۔“ اِس بات چیت کے بعد چڑیاں پھڑ پھڑا کر اڑ گئیں۔ بہت سے پر جھڑ کر زمین پر آ گرے۔ حاتم نے اُنھیں جمع کر کے رکھ لیا اور چین کی نیند سو گیا۔ صبح کو اٹھا اور برزخ کے جزیرے کی طرف چل کھڑا ہوا۔

حاتم اپنی منزل کی طرف چلا جاتا تھا۔ ایک دن ذرا ستانے کے لیے ایک پیڑ کے نیچے لیٹ گیا۔ ذرا دیر میں کسی کے رونے کی آواز کان میں پڑی۔ حاتم بے قرار ہو گیا اور اٹھ کر آواز کی طرف چلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک لومڑی زمین پر پڑی تڑپ رہی ہے۔ حاتم نے وجہ پوچھی ”اُس نے کہا ”اے مسافر! اللہ تیرا بھلا کرے جو دوسروں کے درد سے تیرا دل دکھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ پاس کے گاؤں میں ایک بہیلیا رہتا ہے۔ وہ میرے نر اور بچوں کو پکڑ لے گیا۔ یہ صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔“

حاتم نے لومڑی سے کہا ”تو میرے ساتھ چل اور دور سے بہیلیے کا گھر بتا دے پھر انھیں چھڑا کر لانا میرا ذمہ ہے۔“ لومڑی نے یہ ہمدردی دیکھی تو اٹھ کر حاتم کے قدموں سے سر ملنے لگی۔ پھر اسے راستہ دکھانے کو ساتھ چلی۔ گاؤں میں پہنچ کر لومڑی نے دور سے بہیلیے کا گھر دکھایا اور خود ایک پیڑ کے نیچے

بیٹھ گئی۔

حاتم بہیلیے کے گھر پہنچا۔ دروازے پر دستک دی۔ بہیلیا باہر آیا تو حاتم نے کہا ''بھائی! میں بڑی بری بیماری میں مبتلا ہوں۔ میری بیماری لومڑی کے خون سے جاسکتی ہے۔ اگر تمھارے پاس لومڑی یا اُس کے بچے ہوں تو مجھے دے دو۔''

اُس نے لومڑی اور بچے حاتم کے حوالے کردیے۔ حاتم نے اُسے منہ مانگی قیمت دی اور لومڑا اور بچے لومڑی کے حوالے کردیے۔ سب حاتم کو دعا دیتے ہوئے جنگل کی طرف چل دیے۔

اب حاتم پھر برزخ کے جزیرے کی طرف چل دیا۔ ایک دن دیکھا کہ دور پانی کا چشمہ چمک رہا ہے۔ حاتم پیاسا تھا۔ اُس طرف بڑھا۔ پاس جاکر دیکھا تو چشمہ نہ تھا بلکہ چاندی کی طرح چمکتا ہوا سفید سانپ تھا جو کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ حاتم اسے دیکھ کر واپس ہولیا۔ اتنے میں کسی نے آواز دی ''اے جوان! تو لوٹ کیوں گیا؟'' حاتم نے مڑکر دیکھا تو سانپ پھن اشارے سے اُس سے مخاطب تھا۔

حاتم نے کہا ''اے خوب صورت سانپ! میں نے تجھے پانی کا چشمہ جانا۔ پیاسا تھا دوڑا چلا آیا۔ اب پھر پانی کی تلاش میں جاتا ہوں۔'' سانپ نے کہا ''فکر نہ کر یہاں تجھے سب کچھ مل جائے گا۔'' یہ کہہ کر سانپ رینگنے لگا۔ حاتم پیچھے پیچھے چلا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں ایک باغ میں جا پہنچے۔ یہ باغ بڑا ہرا بھرا تھا۔ خوب صورت پودے پھلوں سے لدے کھڑے تھے۔ بیچ میں صاف شفاف پانی کا ایک حوض تھا۔ اُسے دیکھ کر حاتم کا دل باغ باغ ہوگیا۔

حاتم تو باغ کی سیر میں کھوگیا اور سانپ حوض میں کود پڑا۔ ذرا دیر میں پری زاد حوض سے نکلے۔ اُن کے سروں پر قیمتی ہیرے جواہر کے خوان تھے۔ وہ لاکر انھوں نے حاتم کے آگے رکھ دیے اور کہا ''ہمارے آقا نے یہ آپ کے لیے بھیجے ہیں۔'' ذرا دیر بعد اُن کا آقا بھی آگیا۔ خوب صورت جوان تھا۔ بہت سے خادم اُس کے ساتھ تھے۔ آکر حاتم کے گلے ملا۔ حاتم

نے کہا ''اے مہربان! تو نے مجھ پر بڑی عنایت کی مگر یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟''

نوجوان نے جواب دیا ''تو سفر کا تھکا ہارا ہے۔ ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھالے۔ پھر باتیں ہوں گی۔'' وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دسترخوان بچھ گیا اور اُس پر طرح طرح کے کھانے چُن دیے گئے۔ دونوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ حاتم کو نوجوان کی داستان سننے کی بڑی بےچینی تھی۔ اُس نے پھر تقاضا کیا۔

نوجوان نے کہا ''اے معزز مہمان! میں وہی سانپ ہوں جو تجھے یہاں لایا تھا۔ اصل میں میں پری زاد ہوں۔ شمس شاہ میرا نام ہے۔ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ آدمیوں کے ملک پر حملہ کروں اور انھیں ہرا کر اُن کے ملک کو اپنی حکومت میں شامل کرلوں۔ یہ سوچ کر میں نے ایک بھاری لشکر جمع کیا اور طے کرلیا کہ اگلی صبح کو حملہ کردیں گے۔ صبح کو سو کر اٹھے تو میں اور میرا لشکر سب سانپ بن چکے تھے۔

''اب میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوا اور اللہ سے توبہ کرنے لگا۔ آخر اُسے رحم آیا اور میرے لشکر کے سب سپاہی اپنی اصلی حالت پر آگئے مگر میں سانپ کا سانپ ہی رہا۔ میں نے پھر گڑگڑا کر توبہ کی۔ حکم ہوا ''جا ہم نے تیری خطا معاف کی۔ لیکن تو تیس سال تک اسی شکل میں رہے گا۔ اس کے بعد یمن کا ایک جوان حاتم نام کا یہاں آئے گا تو اسے دیکھ کر اپنی اصلی حالت میں آجائے گا۔ پھر اُس نے تیرے لیے دعا کردی تو ٹھیک ہے ورنہ تو پھر سانپ بن جائے گا۔'' حاتم! آج اس بات کو پورے تیس سال ہورہے ہیں۔ اب تو میرے لیے دعا کردے تو میں اس عذاب سے چھوٹ جاؤں۔''

حاتم تو ہر ایک کا ہمدرد تھا۔ اُس نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ فوراً آواز آئی ''حاتم! تیری دعا قبول کی جاتی ہے۔'' اِس طرح شمس شاہ کو چھٹکارا ملا۔ اُس نے حاتم کا شکریہ ادا کیا اور اِدھر آنے کی وجہ پوچھی۔ حاتم نے کہا ''میں شاہ آباد سے آرہا ہوں۔ اِس وقت برزخ کے جزیرے جارہا ہوں تاکہ مرغابی کے انڈے کے برابر موتی لاؤں۔'' شمس شاہ نے کہا ''بھائی! یہ کام بہت دشوار ہے۔ اِس سے ہاتھ اٹھا۔ اُس جزیرے کا راستہ خطروں سے بھرا ہوا ہے۔''

حاتم نے کہا ''میں خطروں سے گھبرانے والا نہیں۔ جس کام کا بیڑا اٹھالوں کرکے رہتا ہوں۔ میں برزخ کے جزیرے ضرور جاؤں گا چاہے کچھ بھی ہو۔'' شمس شاہ نے کہا ''اگر تم نے ارادہ کر ہی لیا ہے تو بسم اللہ۔ خدا تمھاری مدد کرے۔ میں کچھ پری زاد تمھارے ساتھ کیے دیتا ہوں۔ وہ ہر حال میں تمھاری مدد کریں گے۔'' چنانچہ شمس شاہ نے چھ پری زاد حاتم کے ساتھ کردیے۔ اُنھوں نے حاتم کو اُڑن کھٹولے پر بٹھایا اور برزخ کے جزیرے کی طرف روانہ ہوگئے۔

یہ سفر تین دن تک جاری رہا۔ چوتھے دن یہ کھٹولا ایک درخت کے نیچے اُترا۔ ایک پری زاد تو کھٹولے کے پاس رہا۔ باقی کھانے پینے کی تلاش میں اِدھر اُدھر چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں بہت سے دیو وہاں شکار کھیلتے آنکلے۔ انھوں نے اُڑن کھٹولے کو گھیر لیا۔ پری زاد اور دیو آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ پری زاد نے کئی کو تو مار گرایا۔ آخر پکڑا گیا۔ دیو حاتم اور پری زاد کو اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ اُس نے دونوں کو ایک کنویں میں قید کردیا۔ اُدھر یہ ہوا کہ پری زاد لوٹ کر آئے۔ دیکھا کہ نہ حاتم ہے نہ پری زاد۔ بس تین چار دیو مرے پڑے ہیں۔ سمجھ گئے کہ دیوؤں سے لڑائی ہوئی ہوگی وہ دونوں کو پکڑ کر لے گئے ہوں گے۔

پری زاد اسی سوچ میں تھے کہ ایک دیو نے کروٹ بدلی۔

پری زادوں نے پوچھا ''تو کون ہے اور کس کا نوکر ہے؟'' وہ بولا ''میں مقرلس دیو کا نوکر ہوں۔ ہم شکار کھیلتے اِدھر آ نکلے۔ یہاں ایک پری زاد سے مڈبھیر ہوگئی۔ اُس سے لڑائی میں کئی دیو مارے گئے۔'' یہ سن کر پری زاد شمس شاہ کے پاس پہنچے اور یہ قصہ سنایا۔ اُسے بڑا غصہ آیا۔ شمس شاہ نے تیس ہزار پری زادوں کا لشکر لے کر مقرلس پر حملہ کر دیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ آخر مقرلس قید ہوا اور شمس شاہ کے سامنے لایا گیا۔ آتے ہی وہ شمس شاہ کے پیروں پر گر پڑا۔ آخر حاتم اور اُس پری زاد کو بھی قید سے نجات ملی۔

شمس شاہ نے ایک بار پھر حاتم کو سمجھایا کہ اس مشکل سفر کا ارادہ چھوڑ دے مگر حاتم نے جواب دیا کہ ''مرد کبھی اپنا ارادہ نہیں بدلتے۔ جس طرح بھی ہو مجھے وہ موتی چاہیے۔'' یہ سن کر شمس شاہ نے کہا ''اچھا میں تمھارے ساتھ کچھ پری زاد کیے دیتا ہوں۔'' اس بار اُس نے کچھ بوڑھے تجربہ کار پری زاد حاتم کے ساتھ کر دیے۔ یہ قافلہ پندرہ دن تک سفر کرتا رہا۔ بھوک پیاس ملتی تو اُتر کر کھا پی لیتے۔ پھر اُڑنے لگتے۔ سولہویں دن ایک پہاڑ پر اُترے۔ وہاں حاتم کو کسی کے رونے اور کراہنے کی آواز سنائی دی۔ پری زادوں سے پوچھا ''کون روتا ہے؟''

انھوں نے بتایا کہ پری زادوں کا ایک شہزادہ مہر آور بہت دنوں سے یہاں رہتا ہے۔ وہ برزخ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر برزخ کی کوئی شرط ہے جسے وہ پورا نہیں کرسکتا۔'' یہ سن کر حاتم کو اس سے ہمدردی ہوئی۔ کہا ''چلو۔ ذرا اُس سے ملیں۔ ممکن ہے کوئی ایسا کام ہو جسے ہم پورا کرسکیں۔'' یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور پری زادوں کو ساتھ لے کر آواز کی طرف چلا۔

دیکھا کہ ایک خوب صورت جوان پتھر پر بیٹھا رو رہا ہے۔ حاتم قریب گیا۔ پوچھا ''دوست! تجھے کیا تکلیف ہے جو اِس طرح بلک بلک کر رو رہا ہے؟'' اُس نے کہا ''اے اجنبی! تجھے اِس سے کیا مطلب کہ میں کیوں روتا ہوں۔ تو جا اور اپنا کام کر۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ۔'' حاتم نے کہا ''خفا کیوں

ہوتے ہو۔ تمھارا درد نہ دیکھا گیا اِس لیے پوچھ بیٹھے۔'' اب نوجوان نے معافی مانگی اور کہا ''میں غم کی وجہ سے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہوں۔ اِسی لیے تجھے ایسا روکھا جواب دے دیا۔ اب تو اطمینان سے بیٹھ۔ میں تجھے اپنی داستان سناتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی درد بھری کہانی سنائی۔

شہزادے کی داستان سن کر حاتم نے اُسے دلاسا دیا۔ کہا ''میں برزخ سے وہ موتی حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں جو مرغابی کے انڈے کی برابر ہے۔ مجھے اس کی پیدائش کا پورا حال معلوم ہے۔ وہ حال سن کر موتی دینے پر مجبور ہے۔ میں اُس سے ملوں گا تو تیری شادی کی بات بھی کروں گا۔ ممکن ہے وہ راضی ہو جائے۔'' شہزادے نے حاتم کی بات پر یقین نہ کیا اور ہنسنے لگا۔

حاتم کے ساتھ جو پری زاد تھے وہ بولے ''شہزادے! ہنسنے کی بات نہیں۔ ہم شمس شاہ کے ملازم ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ حاتم کو موتی کا سارا حال معلوم ہے۔'' شہزادے نے یہ سنا تو اٹھ کر حاتم کو گلے لگا لیا اور بولا ''میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔'' اب دونوں اُڑن کھٹولے پر بیٹھ گئے اور برزخ کے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے۔

پری زادوں کو نیچے ایک باغ نظر آیا۔ یہ سیر کرنے کے خیال سے وہاں اُتر گئے۔ یہ باغ مہاکال دیو کا تھا۔ اُس نے آدم زاد اور پری زاد کو ساتھ ٹہلتے دیکھا تو حیران ہوا۔ فوراً دیووں کو حکم دیا کہ دونوں کو پکڑ لائیں۔ دونوں کو مہاکال دیو کے سامنے لایا گیا۔ وہ شہزادہ مہر آور سے بولا ''تو پری زاد ہے۔ اِس لیے تجھے تو چھوڑے دیتا ہوں لیکن اِس آدم زاد کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔'' شہزادے نے بہت خوشامد کی مگر وہ حاتم کو چھوڑنے کے لیے کسی طرح راضی نہ ہوا۔

مہاکال نے حاتم کو ایک مکان میں قید کرا دیا۔ مہر آور اور پری زاد آزاد کر دیے گئے۔ یہ ایک جگہ بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ بہت دیر سوچنے کے بعد طے کیا کہ جب پہرے دار سو جائیں تو حاتم کو اڑا کر لے جانا چاہیے۔ یہ طے کر کے وہ اُس مکان کے پاس جا چھپے جس میں حاتم قید تھا۔ رات کو پہرے دار میٹھی نیند سو گئے تو پری زاد اُس مکان میں جا اُترے اور حاتم کو اُڑن کھٹولے پر بٹھا کر لے اُڑے۔ اِس طرح راتوں رات وہ حاتم کو مہاکال کی سرحد سے باہر لے گئے۔

تین دن بعد پری زاد اُڑن کھٹولا لیے قہرمان کی سرحد پر پہنچ گئے اور حاتم سے بولے ''اب آگے جانا ہمارے قابو سے باہر ہے۔ یہاں سے ہم اپنے ملک کو لوٹتے ہیں۔'' حاتم نے انھیں رخصت کر دیا لیکن مہر آور نے کہا ''میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ ہر حال میں ساتھ رہوں گا۔'' یہ وہی جگہ تھی جہاں حاتم کو چڑیا کے پروں کی راکھ جسم پر ملنی تھی۔ اُس نے مہر آور سے کہا ''میں تو اِن پروں کی راکھ جسم کو مل کر دیو بن جاؤں گا۔ تو میرے ساتھ کیسے چل سکے گا۔'' اُس نے کہا ''میں اُڑتا ہوا تیرے ساتھ چلوں گا۔''

حاتم نے لال پر جلا کر اُن کی راکھ جسم کو مل لی۔ راکھ ملتے ہی اُس کی صورت دیو جیسی ہو گئی۔ اِس طرح دیو کا روپ اختیار کر کے حاتم دیووں کے ملک میں داخل ہو گیا۔ دیو اُسے دیکھتے مگر دیو سمجھ کر کچھ نہ کہتے۔ مہر آور بھی اُس کے ساتھ ساتھ اُڑتا رہا۔ کئی دن دونوں اِسی طرح چلتے رہے۔ دن بھر سفر کرتے۔ رات ہوتی تو دونوں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے اور آرام کرتے۔ اِسی طرح دریائے قہرمان کے کنارے پہنچ گئے۔

یہ دریا ایسا تھا کہ دیکھ کے ڈر لگتا تھا۔ پہاڑ سے اونچی لہریں اُٹھتی تھیں اور آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ ہاتھی کے

برابر کے جانور اس میں تیرتے پھرتے تھے۔ دریا کا پاٹ ایسا تھا کہ دوسرا کنارہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسے دیکھ کر دونوں پریشان ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس کا تو پار کرنا مشکل ہے۔ آخر مہر آور کو یاد آیا کہ یہاں سے تھوڑی دور اس کے دوست شمشان پری زاد کا شہر ہے۔ اُس کے پاس ایسے گھوڑے ہیں جو اڑ بھی سکتے ہیں اور تیر بھی سکتے ہیں۔

مہر آور اڑتا ہوا اپنے دوست شمشان کے شہر میں پہنچا۔ اُس نے دو شاندار گھوڑے دے دیے۔ یہ گھوڑے تیرنے اور اُڑنے میں لاجواب تھے۔ مہر آور انھیں لے کر واپس آ گیا۔ پھر ایک گھوڑے پر وہ خود بیٹھا اور دوسرے پر حاتم کو بٹھایا۔ ان کے بیٹھتے ہی گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے اور تیسرے دن دریا کے پاس جا پہنچے۔ دریا کے پاس پہنچ کر مہر آور نے حاتم سے کہا ”میرا ملک یہاں سے بہت نزدیک ہے۔ تم اجازت دو تو میں جا کر ایک لشکر ساتھ لے آؤں۔“ حاتم نے کہا ”لشکر لا کر کیا کرو گے؟ ہم جنگ کے ارادے سے تو جا نہیں رہے۔“ مہر آور بولا ”ہاں دوست! یہ تو ٹھیک ہے مگر ہم لاؤ لشکر کے ساتھ داخل ہوں گے تو زیادہ عزت ہوگی۔“ حاتم نے کہا ”ٹھیک ہے۔ جاؤ۔ مگر یہ بتاؤ تمھاری واپسی کب تک ہوگی؟“ مہر آور بولا ”آج سے آٹھویں دن میں ضرور لوٹ آؤں گا۔“

اِس طرح حاتم سے اجازت لے کر شہزادہ مہر آور اپنے ملک میں پہنچا۔ ماں باپ نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھا تو خوشی سے بے قابو ہو گئے۔ فوراً اُسے سینے سے لگا لیا اور حال پوچھا۔ مہر آور نے سارا قصہ سنا دیا اور بولا ”اب میری درخواست یہ ہے کہ ایک لشکر میرے ساتھ کر دیجیے تا کہ برزخ جا کر شہزادی کو بیاہ لاؤں۔“ باپ نے کہا ”بیٹا! لشکر ساتھ کرنے کو تو میں تیار ہوں مگر یہ بتاؤ تم جب تک اس کے سوال کا جواب نہ دو گے اس کی بیٹی کو کس طرح بیاہ کر لاؤ گے؟“

اِس کے جواب میں شہزادے نے سارا قصہ سنایا مگر باپ کو یقین نہ آیا اور بولا ”تم کیسی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ جو کام پری زاد ہو کر تم نہ کر سکے، وہ کام کوئی آدم زاد کیسے کر سکتا ہے؟“ شہزادے نے حاتم کے بہت سے کارنامے سنائے اور اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا پھر کہا کہ حاتم کوئی معمولی آدمی نہیں۔ وہ بہت سے پری زادوں پر بھاری ہے۔ آخر بیٹے نے کہہ سن کر باپ کو مطمئن کر ہی دیا اور ایک بھاری لشکر لے کر آٹھویں دن حاتم سے جا ملا۔

رات کو دور تک چھاؤنی سی بس گئی۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر مزیدار کھانے کھائے اور ہنسی خوشی رات گزاری۔ دن نکلا تو کوچ کا نقارہ بجا۔ لشکر چلنے کے لیے تیار ہوا۔ حاتم اور مہر آور گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اِس طرح یہ قافلہ برزخ کے بادشاہ ماہ یار سلیمانی کے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ماہ یار سلیمانی کو پہرے داروں نے خبر کی کہ ایک بھاری لشکر شہر کی طرف بڑھا چلا آتا ہے۔ اُس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر اس لشکر کو روک دے۔

چنانچہ ماہ یار کی فوج شہر کے دروازے پر جمع ہو گئی۔ شہزادہ اور حاتم پہلے تو یہ سمجھے کہ یہ فوج استقبال کے لیے آئی ہے۔ پھر پتہ چلا کہ اس کے آنے کا مقصد ان کا راستہ روکنا ہے۔ شہزادے نے یہ دیکھ کر فوراً اطلاع کرائی کہ ”ہم لڑنے کے خیال سے نہیں آئے۔ بادشاہ سے ملاقات کی آرزو رکھتے ہیں۔“

فوج کے سردار نے شہزادے کا یہ پیغام بادشاہ کو پہنچا دیا اور اطلاع دی کہ شہزادہ مہر آور ایک آدم زاد کو لے کر آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔“ بادشاہ نے حکم دیا کہ دونوں کو عزت کے ساتھ شہر میں لایا جائے۔ فوراً حکم کی تعمیل

کی گئی اور انھیں ایک خوب صورت مکان میں ٹھہرایا گیا۔

اگلے دن بادشاہ نے دونوں کو دربار میں بلایا اور عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ دیر تک مہر آور سے باتیں کرتا رہا۔ پھر حاتم کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا ''بھائی! تم کون ہو، کدھر سے آئے ہو، یہاں آنے کا کیا سبب ہے؟'' حاتم نے جواب دیا ''اے پرستان کے بادشاہ! میں یمن کا رہنے والا ہوں۔ یہاں آنے کے لیے میں نے ہزاروں کوس کا سفر کیا۔ راستے میں طرح طرح کے خطرے تھے۔ ان کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں پہنچا۔ اب پتہ چلا کہ یہاں آنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ مگر اللہ جس کی مدد کرے اُس کی سب مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔''

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ بولا ''اے دور دراز کے مسافر! سچ مچ تو بڑی ہمت والا ہے اور اللہ کی مدد ضرور تیرے ساتھ ہے ورنہ یہاں جیتا نہ پہنچتا۔ پھر بھی تو نے بڑے دکھ جھیلے ہوں گے۔ آخر یہ تو بتا تو نے اتنی تکلیفیں کس لیے برداشت کیں؟'' حاتم نے جیب سے فوراً وہ موتی نکالا جو حسن بانو نے دیا تھا اور بولا ''اِس کے ساتھ کا دوسرا موتی آپ کے خزانے میں ہے۔ اگر وہ موتی مجھے مل جائے تو میری محنت کے ٹھکانے لگ جائے۔''

بادشاہ نے کہا ''مجھے تجھ سے ہمدردی ہے لیکن میں نے ایک شرط رکھی ہے۔ اگر کوئی اس موتی کی پیدائش کا حال بتادے تو میں اس موتی کے ساتھ اپنی بیٹی بھی اس کے حوالے کردوں۔'' یہ سن کر حاتم نے موتی کی پیدائش کا حال سنانا شروع کیا اور پرندے سے جو کچھ سنا تھا سب بتا دیا۔ بادشاہ سر جھکائے سنتا رہا۔ جب حاتم کہہ چکا تو اٹھا اور حاتم کو گلے سے لگالیا۔ پھر وہ موتی منگا کر حاتم کے آگے رکھ دیا اور درباریوں کو حکم دیا کہ شادی کی تیاری کرو۔ دو ایک دن میں تیاریاں مکمل ہوگئیں۔

شادی کے دن شہزادی خوب صورت پوشاک پہنے، سولھا سنگار کیے سجی بنی آئی۔ حاتم فوراً بولا ''اے بادشاہ! یہ شہزادی آج سے میری بہن ہے۔ میں خوشی سے اس کا ہاتھ شہزادہ مہر آور کے ہاتھ میں دیتا ہوں۔'' یہ سن کر سب بہت خوش ہوئے۔

بادشاہ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ وہ یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ اب اس کی بیٹی کی شادی ایک پری زاد ہی سے ہوگی۔ پری زادوں کی رسم کے مطابق شادی ہوئی۔ اِس طرح حاتم کی مدد سے مہر آور کی مراد بھی پوری ہوگئی۔

شادی کے چوتھے دن حاتم اور مہر آور ماہ یار سے اجازت لے کر روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے دریائے قہرمان کے کنارے پہنچے۔ یہاں آکر حاتم نے اپنے دوست سے کہا ''اب تم ہنسی خوشی اپنے گھر کو سدھارو۔ میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا ''یہ بات مروّت کے خلاف ہے۔ تم نے میرے لیے اتنا کام کیا اور میں تمھیں اکیلا چھوڑ دوں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ میں تمھیں شمس شاہ کے پاس پہنچا کر لوٹوں گا۔'' یہ کہا اور لشکر کو شہزادی سمیت اپنے گھر کی طرف بھیج دیا۔

اب دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کے شمس شاہ کے ملک کی طرف چلے۔ پہلے قہرمان دریا پار کیا پھر پہلے کی طرح دیووں کی سرحد سے گزرے۔ آخر شمس شاہ کی سرحد میں جا پہنچے۔ اُس کے مخبروں نے خبر دی کہ حاتم اور اس کا نیا ساتھی مہر آور سفر سے لوٹ آئے ہیں اور اب اس کی طرف آرہے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور لشکر لے کر ان کے استقبال کو چلا۔ ابھی تھوڑی دور ہی آیا تھا کہ حاتم نظر آیا۔ دوڑ کر گلے لگا لیا۔ پھر شہزادے کے بارے میں پوچھا۔ حاتم نے دونوں کی ملاقات کرائی اور شہزادے کی مہربانیوں کا حال سنایا۔

شمس شاہ نے شہزادے کا شکریہ ادا کیا اور کہا ''تم نے بڑی مہربانی کی کہ میرے دوست حاتم سے میری ملاقات کرائی۔ میں اس کی طرف سے بہت پریشان تھا۔ تم نہ ہوتے تو انھیں سفر میں زیادہ دشواری ہوتی۔'' غرض وہ دونوں کو ساتھ لایا۔ ایک خوب صورت باغ میں ان کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا۔ چالیس دن تک شاندار مہمان داری کی۔ خوب خوب دعوتیں کیں۔ اکتالیسویں دن دونوں نے شمس شاہ سے اجازت چاہی۔

اُس نے کہا ''جی تو نہیں چاہتا کہ تمھیں رخصت کروں مگر تمھیں وطن سے نکلے بہت دن ہوگئے اس لیے تمھیں نہیں روکتا۔ جاؤ اللہ نگہبان ہے۔'' یہ کہہ کر کچھ پری زاد ان کے ساتھ کر دیے۔ چار پری زاد مہر آور کو اُڑن کھٹولے پر بٹھا کر اس کے ملک کی طرف لے چلے۔ چار پری زادوں نے حاتم کو دوسرے اُڑن کھٹولے پر بٹھایا اور شاہ آباد کا رخ کیا۔

شاہ آباد وہاں سے کافی دور تھا۔ ایک مہینے کے لمبے سفر کے بعد حاتم کا اُڑن کھٹولا وہاں پہنچا۔ حاتم شہر کے باہر ہی اُتر گیا۔ شمس شاہ کے نام ایک شکریے کا خط لکھ کر پری زادوں کو رخصت کیا اور خود شہر میں داخل ہوا۔ حسن بانو کو حاتم کے آنے کی اطلاع ملی تو فوراً بلایا اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر حاتم سے سفر کا حال سنا۔ حاتم نے دونوں موتی نکال کر اس کے آگے رکھ دیے۔

حسن بانو نے حاتم کی ہمت اور بہادری کی بہت تعریف کی۔ وہاں سے رخصت ہو کر حاتم سرائے میں پہنچا اور منیر شامی سے ملاقات کی۔ اُسے اپنی کامیابی کا حال سنایا اور کہا ''اللہ کی مدد سے حسن بانو کے چھ سوالوں کے جواب مل گئے۔ اب صرف ایک سوال رہ گیا ہے۔ اس کی عنایت سے اس کا جواب بھی مل جائے گا۔'' منیر شامی حاتم کے قدموں میں گر پڑا اور اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا!

(جاری)

■

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، مرتب: نورالحسن نقوی
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

بچوں کا کتب خانہ

ڈاکٹر عبدالرشید

اچھے بچو! آپ نے اپنے گھروں میں یا محلے میں اپنے کسی بڑے بزرگ سے یہ ضرور سنا ہوگا کہ پیسہ بولتا ہے۔ آج ہم آپ کی لائبریری یعنی 'بچوں کا کتب خانہ' میں ایک ایسی ہی کتاب لے کر حاضر ہوئے ہیں جس میں پیسہ اپنی پیدائش سے لے کر اب تک کی داستان خود اپنی زبان سے بیان کرتا ہے۔

کتاب 'پیسے کی کہانی' غلام حیدر کی لکھی ہوئی ہے، اس کتاب سے ہر زمانے کے پیسے کی شکل وصورت اور اس کے کام کی اہمیت کا پتہ چلے گا، آپ کتاب کھولیے اور ایک صفحے کا 'پیش لفظ' ضرور پڑھیے۔ اس کے بعد فہرست دیکھتے ہی آپ پہلا عنوان پڑھیں گے 'میں کون ہوں' اب تک آپ سنتے رہے کہ پیسہ بولتا ہے۔ آج آپ نے پڑھ لیا۔ آپ ہی سے پیسہ پوچھتا ہے، میں کون ہوں۔

پیارے بچو! آپ روزانہ پیسہ دیکھتے ہیں۔ طرح طرح کے سکے، نوٹ، پیسہ آپ سے پوچھتا ہے، میں کون ہوں، تو سنیے یہ آپ کو خود بتائے گا کہ 'میں کون ہوں' میں گول ہوں' میں چوکور ہوں، میں آٹھ کونوں والا ہوں۔ ہوا میں اڑ بھی سکتا ہوں، پانی میں ڈوب بھی سکتا ہوں، مگر میں چپٹا ہوں۔

دیکھا بچو! پیسے نے اپنی شکل وصورت کے بارے میں آپ کو تفصیل سے بتا دیا۔ اب آگے سنیے پیسہ کیا بولتا ہے۔

'کچھ لوگ مجھے برا بھلا بھی کہتے ہیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ میں کسی کے پاس ٹھہرتا نہیں، مگر یہ بات غلط ہے۔ میں لوگوں کے پاس رکتا بھی ہوں، مگر انھیں کے پاس جو مجھے رکھنا جانتے ہیں، خیر چاہے لوگ مجھے کتنا ہی برا بھلا کہیں مگر دنیا کا ہر شخص مجھے چاہتا ضرور ہے۔ مجھے حاصل کرنے کے لیے پریشان ضرور رہتا ہے، جس کے پاس میں پہنچ گیا وہ امیر کہلانے لگا اور جس کے پاس سے چلا گیا وہ غریب ہو گیا۔

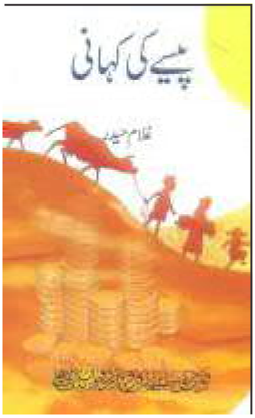

بچو! آپ نے پیسے کی اہمیت وقدر خود پیسے کی زبانی سن لی۔ اب آپ غلام حیدر کی یہ کتاب ضرور خریدیں اور دیکھیں کہ پیسہ اپنی اور اپنے خاندان کی تاریخ وشروعات اور اپنے باپ دادا کے نام تک آپ کو بتائے گا۔ اپنے گھرانے کے بڑے سے لے کر چھوٹے چھوٹے سکوں اور روپیوں کے نام اور ان کے قد وقامت اور اہمیت وقدر کے بارے میں سب کچھ بتا دے گا، وہ جن جن چیزوں سے تیار ہوتے تھے، جن جن لوگوں نے بنایا وہ بھی بتا دے گا شرط یہ ہے کہ آپ کتاب پڑھیں۔

پیارے بچو! کبھی کبھی آپ کے دماغ میں یہ بات ضرور آتی ہوگی کہ جب پیسے کا جنم نہیں ہوا تھا تو ہمارے دادا، پردادا لوگ کھانے پینے کی چیزیں اور پہننے اوڑھنے کا سامان کیسے خریدتے تھے؟ بات آپ کی بالکل سچ ہے۔ غلام حیدر نے یہی بات تو اس کتاب میں بتائی ہے۔ صفحہ 14 کے بعد دیکھیے۔ ''جانوروں کے بھیس میں'' عنوان درج ہے۔ آج پیسہ سے بڑے بڑے کام لیے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے سامان، بڑی بڑی عمارتیں، گاڑیاں خریدی جاتی ہیں یعنی ہم پیسہ دیتے ہیں اور اچھی اچھی کام کی چیزیں اس کے بدلے میں لیتے ہیں، گویا سب کمال بدلے کا ہے، کسی کے پاس پیسہ ہے تو کسی کے پاس چیزیں ہیں، پیسہ کھا نہیں سکتے، پیسہ پہن نہیں سکتے، پیسے پر بیٹھ کر سفر

نہیں کر سکتے۔ ہاں پیسہ دے کر اپنے استعمال کی ساری چیزیں لے سکتے ہیں اور آسانی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اسی آسانی کے لیے پرانے زمانے کے لوگ جانوروں کے گوشت، دودھ اور ان کی کھالوں کا لین دین کرتے تھے اور ایک دوسرے کی ضرورت پوری کرتے تھے، گویا پیسہ پہلے جانوروں کے بھیس میں پیدا ہوا۔

پیارے بچو! جانوروں کا شکار کیسے ہوتا تھا، سنو! پرانے زمانے میں جب لوگ جنگلوں میں رہتے تھے، نالوں اور چشموں کا پانی پیتے، درختوں سے پھل توڑ کر کھا لیتے اور کہیں بھی سو لیتے تھے، اسی زمانے میں کچھ لوگوں نے پتھروں کے ہتھیار بنائے۔ انھیں پتھروں کے ہتھیار سے جانوروں کا شکار کرتے۔ شکاری پتھر کے ہتھیار بنانے والے سے ہتھیار لیتے اور بدلے میں ان کو شکار کا گوشت دیتے۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے کھیتی کرنے کا کام شروع کیا تو ہل بنانے والے سے ہل لے کر اسے اناج دیا۔ آپ صفحہ 25 پر دیکھیں گے، تو ایک عنوان 'اناج کے بھیس میں' ملے گا۔ یہ کیا ہے؟ یہ پیسے کی قدیم کارکردگی ہے، جب باقاعدہ کھیتی باڑی شروع ہوگئی تو زندگی گزارنے میں کسی قدر سہولت پیدا ہوئی۔ سبزی، ترکاری اور پھل وغیرہ پیدا کیے جانے لگے۔ اناج کے بدلے کھانے پینے کی چیزیں آسانی سے ملنے لگیں، گویا پیسے کی پرانی پیڑھیوں میں اناج کا شمار بھی ہے۔ انسانوں نے اور ترقی کی تو دھاتوں سے پیسے بنے ان کی شکلیں مختلف زمانے میں مختلف ہوا کرتی تھی۔ ہر علاقے اور ملک کا پیسہ اپنی الگ پہچان رکھتا تھا۔ چھوٹا بڑا، دائرہ نما، کونوں والا اور سوراخ دار۔ یہ پیسے سونا، چاندی اور تانبے کے بنتے تھے۔ راجہ مہاراجہ اور بادشاہ سکے چلاتے تھے اور ان کی اپنی حدود ہوا کرتی تھیں، یہ مثال آپ نے ضرور سنی ہوگی کہ فلاں کا سکہ چلتا ہے۔

پیارے بچو! صفحہ 46 پر دیکھیے آپ کو ایک عنوان ''دربار کی رونق'' ملے گا۔ درباری پیسوں کی تفصیل تو آپ خود کتاب پڑھ کر معلوم کریں گے، میں آپ کو ہمایوں کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔

''ایک بار ہمایوں بادشاہ دریا میں ڈوب رہا تھا، کنارے پر ایک بھشتی کھڑا مشکیزے میں پانی بھر رہا تھا۔ اس نے بادشاہ کی چیخ سنی تو دوڑا اور اپنے مشکیزے میں ہوا بھر کر اس کا منھ مضبوطی سے باندھ کر بادشاہ کی طرف پھینکا۔ بادشاہ اسی کے سہارے باہر آیا۔ اب بادشاہ نے بھشتی سے ایک وعدہ کیا کہ اسے ایک دن کی بادشاہت سونپ دی جائے گی۔ چنانچہ ایک دن کی بادشاہت ملنے کے بعد بھشتی نے یہ کام کیا کہ اپنا مشکیزہ کٹوا کر سکوں میں ڈھلوا دیا اور پورے ملک میں چمڑے کا سکہ چلوا دیا۔

پیارے بچو! پوری کتاب کے بارے میں بتانا ممکن نہیں ہے اس لیے آپ خود پڑھیں اور معلومات حاصل کریں، چلتے چلتے ہم اتنا بتا دیں کہ آپ کتاب پڑھتے جائیں گے اور آپ کو پرانے سے پرانے پیسوں کی معلومات حاصل ہوتی جائے گی۔ میری مراد ہے آنا، پائی، ٹکا، دھیلا، شاہ رخی، اشرفی اور کاغذی سکہ سے۔

موجودہ دور میں دھات کا سکہ بھی ہے اور کاغذ کا روپیہ بھی، زیادہ تر بازار میں کاغذ کا 100، 500 اور 1000 کا نوٹ چلتا ہے، لیکن 8 نومبر 2016 سے آپ کے سامنے ایک نئے دور کی شروعات ہوتی ہے۔ ہمارے وزیر اعظم کے حکم سے 8 نومبر 2016 کی رات کے پہلے حصے میں 500 اور 1000 کے کاغذی سکوں (نوٹوں) کو کالعدم (رد) کر دیا گیا اور اس کی جگہ 2,000 کے اور 500 کے نئے نوٹوں کے چلن کا اعلان کیا گیا ہے، جو بہتوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں، کتاب لکھے جانے تک اس کا جنم نہیں ہوا تھا، اس لیے غلام حیدر نے اس کے بارے میں نہیں لکھا ہے۔

■

Dr. Abdur Rasheed
A-187/3, Second Floor, Shaheen Bagh
Jamia Nagar, New Delhi - 110025

روپ کرشن بھٹ

آؤ اردو سیکھیں

उर्दू वर्णमाला और देवनागरी लिपि-अंतरण

नाम	इंग्लिश	वर्ण	अंतरण
अलिफ़	Alif	ا	स्वर के लिए प्रयुक्त
बे	Bey	ب	ब
पे	Pey	پ	प
ते	Tey	ت	त
टे	Tey	ٹ	ट
से	Sey	ث	स
जीम	Jeem	ج	ज
चे	Chey	چ	च
हे	Heh	ح	हे
ख़े	Khey	خ	ख़े
दाल	Daal	د	द
डाल	Daal	ڈ	ड
ज़ाल	Zaal	ذ	ज़
रे	Rey	ر	र
ड़े	Arey	ڑ	ड़
ज़े	Zey	ز	ज़
झे	Zey	ژ	झ
सीन	Seen	س	स
शीन	Sheen	ش	श
स्वाद	Saad	ص	स
ज़्वाद	Zaad	ض	ज़
तोए	To	ط	त
ज़ोए	Zo	ظ	ज़
ऐन	Ain	ع	स्वर के लिए प्रयुक्त
ग़ैन	Ghain	غ	ग़
फ़े	Fey	ف	फ़
क़ाफ़	Qaaf	ق	क़
काफ़	Kaaf	ک	क
गाफ़	Gaaf	گ	ग
लाम	Laam	ل	ल
मीम	Meem	م	म
नून	Noon	ن	न
वाओ	Wao	و	व
छोटी हे	Hey	ہ	ह
छोटी ये	Choti Ye	ی	य/ई
बड़ी ये	Bari Y	ے	य/ए,ऐ

■

پہیلیاں

جوابات: (1) ناریل-ریل (2) کیلا (3) موٹر-مور

حسن نظامی کیراپی

الفاظ کا سفر

بنی نوع انسان کی طرح ہر ایک لفظ کے پیچھے اُس کی تاریخ پنہاں ہے۔ جس طرح بچہ جنم لیتا ہے اُس کا نام رکھا جاتا ہے۔ بتدریج بڑھتا رہتا ہے، دھیرے دھیرے بولنا اور چلنا پھرنا سیکھتا ہے۔ کبھی ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے پھر کبھی تنزلی کی راہ پر چلنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور آخر کار ضعیف ہو کر اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح لفظوں کو بھی مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ آج میں آپ کو کچھ ایسے ہی الفاظ سے متعارف کرانا چاہتا ہوں جو ہماری روزمرہ کی بول چال میں گھل مل گئے ہیں مگر ہمیں ان کی تاریخ سے واقفیت نہیں ہے مثلاً:

قمیض: یہ شروع میں عورتوں کی پوشاک تھی جو باریک لباس کے نیچے پہنی جاتی تھی۔ شروع شروع میں اسے شمیض کہا جاتا تھا۔ چوتھی صدی میں اس کا رواج رومن فوج میں ہونے لگا۔ بعد میں یہ رومن فوجیوں کی پسندیدہ پوشاک بن گئی۔ رومن فوجی جس ملک میں گئے وہاں اس کا رواج عام ہو گیا۔ جب یہ عرب پہنچی تو اس کے نام میں تبدیلی آ گئی۔ لیٹن کا ش عربی میں ک، ج۔ص میں تبدیل ہو جاتا ہے بالآخر شمیض قمیض بن گئی پھر گھستے گھستے قیص ہو گئی۔
یہ لفظ ہمارے ہاں آٹھویں صدی میں آیا جب عرب ہندوستان آئے۔ کچھ دنوں قبل تک قمیض ہمیشہ کوٹ کے نیچے پہنی جاتی تھی مگر اب بنا کوٹ کے پہننا عام ہو گیا ہے۔

پاؤروٹی: یہ پُرتگالی لفظ ہے مگر سننے میں ہندوستانی لگتا ہے۔ سولہویں صدی میں پرتگالی گوا، دمن جزائر میں بس گئے تھے۔ کچھ پُرتگالی 'روٹی' کا کاروبار کرتے تھے۔ پرتگالی زبان میں روٹی کو 'پاؤ' کہتے ہیں۔ ہندوستانیوں نے پاؤ کا مطلب نہ جاننے کی بنا پر لفظ پاؤ کے ساتھ روٹی کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح یہ لفظ پاؤ روٹی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

نیوز: یہ انگریزی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی خبریں کے ہیں۔ یہ لفظ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ یہ انگریزی زبان کے چار حروف کے اجتماع سے بنا ہے۔ یعنی (N E W S)
اس لفظ کی بناوٹ میں ان چار حروف کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ این N سے نارتھ (شمال) ای E سے ایسٹ (مشرق)، ڈبلیو W سے ویسٹ (مغرب) اور آخر لفظ ایس S سے ساؤتھ (جنوب)۔ اس طرح نیوز "News" کے معنی ہوئے چاروں اطراف کی خبریں۔ آخر خبروں میں چاروں اطراف کی باتیں تو ہونی ہی چاہئیں۔

■

Hasan Nezami Kerapi
Road No 17, H.N 119
Green Valley, P.O: Azad Nagar
Jamshedpur - 832110

ادارہ

الفاظ کی تلاش

یہاں کچھ الفاظ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جارہا ہے۔ آپ کو ان حروف سے درست الفاظ بنانے ہیں اور خالی جگہوں میں بھرنے ہیں۔ ان الفاظ میں مختلف قسم کے لباسوں کے نام ہیں۔ دیکھیں آپ کتنی جلدی انھیں تلاش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

س ق ی ا ر ی ض م

ن ب ش ی ٹ ا ر ن

ک ج س ی ٹ و ٹ ر ٹ

ا پ ر ا ء ا ک ج م ت ہ

و ف ش ر ل ر ا ا ک

جوابات آئندہ شمارے میں تلاش کریں

پہیلیاں

قاضی عفیفہ ناز توصیف احمد

(1) وہ کون سا پانچ حرفی پھل ہے جس کے پہلے دو حرف مٹانے سے ایک سواری کا نام بن جاتا ہے۔

(2) وہ کون سا پھل ہے جس کے پہلے 'الف' لگا دیا جائے تو انسان خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔

(3) وہ کون سی سواری ہے جس کا تیسرا حرف مٹانے پر پرندے کا نام بن جاتا ہے۔

Qazi Afeefa Naaz Tauseef Ahmad
Qazi Mohalla, Sheerpur
Distt.: Dholpur - 425405 (Maharashtra)

جوابات آئندہ شمارے میں تلاش کریں

ہماری زبان

دوستو! ہم سب اِس بات سے واقف ہیں کہ اردو بے حد شیریں زبان ہے اور ساری دنیا میں مقبول ہے۔ اردو جاننے اور بولنے والے کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن درست اردو اور صحیح اردو جاننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔ اس کالم کے تحت ہم روزمرہ میں اردو کے استعمال سے متعلق کچھ کارآمد چیزیں پیش کریں گے جسے یقیناً آپ سب پسند کریں گے۔ (ادارہ)

ھ اور ہ کا فرق

گھر	مکان	گُہر	موتی
کھو	گم	کہو	کہنا
پھر	دوبارہ	پہر	وقت کا ایک حصہ
کُھر	جانور کا ناخن	کُہر	دھند
گھَن گھِن گھُن	گھٹا، ابر نفرت لکڑی میں کیڑے لگنا	گہن	داغ، عیب، سورج یا چاند پر سایہ
پھل	ثمر، میوہ	پَہل	ابتدا
بھاؤ	قیمت	بہاؤ	پانی کا بہاؤ
کھار	نمک	کہار	مزدور
بھی	کلمہ ربط، علاوہ زیادہ	بہی بِہی	روزنامچہ ایک پھل

واؤ عطف: ان الفاظ کے بیچ واؤ آتا ہے

آمدورفت	شیر وشکر	طعن وتشنیع	علوم وفنون
خط وکتابت	جن وانس	خیر وشکر	لیل ونہار
خواب وخیال	بود وباش	جزاوسزا	خشکی وتری
کم وبیش	امیر وغریب	بحر وبر	صنعت وحرفت
نظم ونسق	نشیب وفراز	پند ونصائح	مال ومتاع
خرید وفروخت	لہو ولعب	نشو ونما	غم وغصہ
شب وروز	حزن وملال	آہ وزاری	رنج والم
حلال وحرام	عیب وہنر	آب وہوا	عجیب وغریب
امین ومامون	عزیز واقارب	دوست ودشمن	امن وشانتی

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

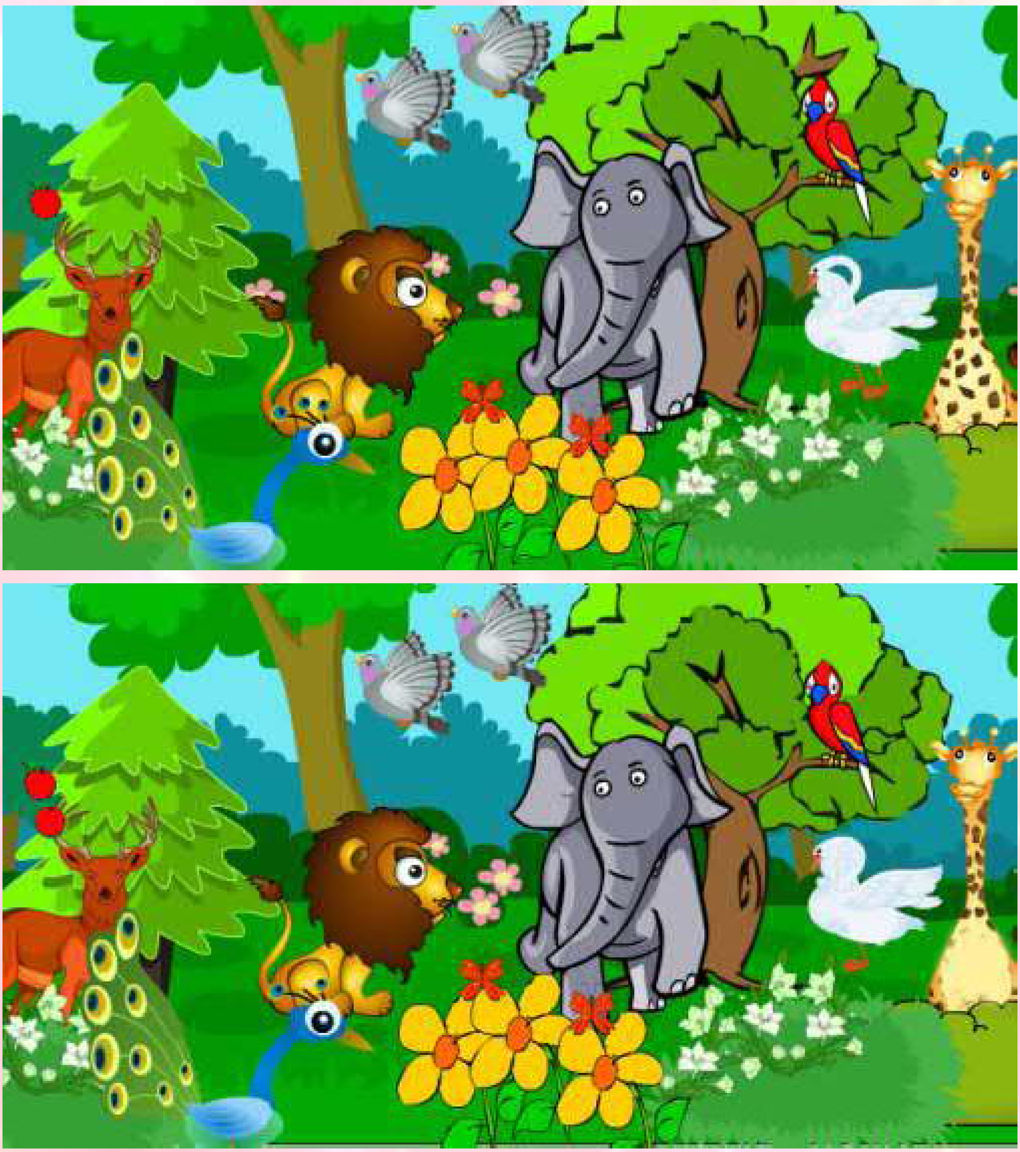

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ادبی لطائف

ہنسی کے غبارے

کہکشاں

دہلی میں ایک رئیس کے مکان پر مختصر سی محفل تھی جس میں زیادہ تر شعرا پینے والوں میں سے تھے، جب دور چل رہا تھا، تو نواب صاحب نے پانی مانگا۔

جوش صاحب نے فرمایا: ''پانی پی کے کوستے ہیں ہمیں اور شعر کو مصرع لگا کر مطلع بنانے کا چیلنج کیا۔ جب کوئی بھی ہم قافیہ مصرع نہ لگا سکا تو خود ہی کہنے لگے:

پالتے ہیں نہ پوستے ہیں ہمیں
پانی پی پی کے کوستے ہیں ہمیں

مولانا چراغ حسن حسرت ایامِ جوانی میں فوج میں کپتانی کے منصب پر فائز تھے، لیکن ڈسپلن کے پابند نہیں تھے۔

سنگاپور میں تعیناتی کے زمانہ میں جب کرنل مجید ملک نے کسی معاملے میں مولانا سے تحریری باز پرس کی تو انھوں نے فائل پر یہ شعر لکھ کر بھیج دیا:

جرمنی بھی ختم، اس کے بعد جاپانی بھی ختم
تیری کرنیلی بھی ختم، میری کپتانی بھی ختم

بمبئی میں جوش صاحب ایک ایسے مکان میں ٹھہرے جس میں اوپر کی منزل پر ایک اداکارہ رہتی تھی، مکان کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ انھیں دیدار نہ ہوسکتا تھا۔ اسی غم میں انھوں نے یہ رباعی لکھ ڈالی:

میرے کمرے کی چھت پہ ہے اس بت کا مکان
جلوے کا نہیں ہے پھر بھی کوئی امکان
گویا اے جوش، میں ہوں ایسا مزدور
جو بھوک میں ہو، سر پہ اٹھائے ہوئے خوان

نظام الملک طوسی سے کسی شہزادے نے پوچھا: ''دانا بزرگ! تخت نشینی کی کم سے کم عمر کیا ہوتی ہے؟'' طوسی نے جواب دیا: ''پندرہ سال''

شہزادے نے دوسرا سوال کیا: ''اور شادی کے لیے کم سے کم عمر کیا ہونی چاہیے''

شہزادے نے کہا: ''یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جہان داری جیسے مشکل کام کے لیے پندرہ سال اور شادی جیسے معمولی کام کے لیے اٹھارہ سال..... آخر یہ فرق کیوں؟

طوسی نے جواب دیا: ''شہزادے! کچھ دن صبر کر، جب تو تخت نشینی کے بعد رشتہ ازدواج میں جکڑا جائے گا تو تجھے خود ہی یہ نکتہ معلوم ہو جائے گا کہ جہانداری سے زن داری کہیں مشکل کام ہے۔''

صالحہ صدیقی

رنگ

گرمی کی چھٹیوں کے بعد آج گڈو کے اسکول کا پہلا دن تھا۔ نئے جوتے، نئے بستے، نئی کتابوں کی خوشی نے گڈو کو پوری رات بے چین رکھا تھا، وہ صبح ہونے کا بے صبری سے انتظار کرنے لگا، صبح ممی نے گڈو کو تیار کیا اور گڈو خوشی خوشی اچھلتا ہوا اسکول گیا، اسکول میں گڈو کو بہت سے نئے پرانے بچے ملے وہ بھی ان بچوں میں گھل مل گیا، گڈو اپنے نئے ٹفن سے کھانا کھانے کے لیے لنچ کا انتظار کرنے لگا، لنچ کے وقت گڈو کی دوسرے نئے بچوں سے بھی دوستی ہوئی۔

لنچ کے بعد آرٹ کلاس میں ٹیچر نے سارے بچوں کو بال بنانا اور ان میں رنگ بھرنا سکھایا، سارے بچے اپنے رنگ برنگے رنگوں سے ان بالوں میں رنگ بھرنے لگے، گڈو نے جب آس پاس نظر گھمائی تو دیکھا اس کے دوست جو اسے لنچ کے وقت ملے تھے وہ بیٹھے تھے، گڈو نے ان سے پوچھا تم بھی بناؤ؟ تم اپنے بال میں رنگ کیوں نہیں بھر رہے؟ جواب نہ ملنے پر وہ خاموش ہو گیا اور دوبارہ بال میں رنگ بھرنے لگا.....

ٹن..... ٹن..... ٹن..... اسکول کی گھنٹی بجی، اور سارے بچے دوڑتے اچھلتے، کودتے، پھاندے، گھر کی طرف چل پڑے، گڈو بھی گھر آیا اور ممی کو تتلاتے ہوئے ایک ہی سانس میں تیزی سے اسکول کے دن بھر کے قصے سنانے لگا۔

شام کو جب ممی نے ہوم ورک کرایا تو گڈو نے اسکول میں بنائی ہوئی بال بھی دکھائی اور اپنا کلر باکس ممی کے سامنے رکھ دیا، ممی نے کلر باکس دیکھا اور حیرت سے پوچھا بیٹا! آپ نے سارے کلرس کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کیوں توڑ دیا؟ تو گڈو نے ہنستے ہوئے بولا ممی..... ممی دیکھو نا..... میرے پاس کتنے سارے کلرس ہو گئے ہیں۔ یہ دیکھو میرے پاس تین تین لال والے رنگ ہیں اور ہاں..... یہ پیلا والا بھی..... اور نیلا بھی..... ممی..... ممی..... میں نا اپنے دوستوں کو بھی یہ کلر دوں گا پھر ہم سب مل کر بال میں رنگ بھریں گے..... اب تو میرے پاس ڈھیر سارے رنگ ہیں نا..... یہ کہہ کر گڈو کھیلنے میں دوبارہ مشغول ہو گیا اور ماں حیرت سے گڈو کو دیکھتی رہ گئی اور من ہی من مسکرا اٹھی.....!

■

Saliha Siddiqui
Research Scholar, Dept of Urdu
Jamia Millia Islamia, New Delhi - 110025

انصاری نور افشاں

شریف اور دیو

ایک جنگل میں ایک دیو رہتا تھا جو لوگوں پر ظلم و ستم کرتا تھا۔ راہ چلتے مسافروں کو اٹھا لیتا۔ جب کوئی شکار نہ ملتا تو گاؤں کا رخ کرتا۔ جو ملتا اٹھا لیتا۔ چاہے انسان ہو یا جانور۔ گاؤں کے لوگ اس سے بہت خوف زدہ رہتے تھے۔ اسی گاؤں میں ایک شریر اور ضدی لڑکا رہتا تھا۔ اس کا نام شریف تھا۔ وہ لوگوں کا مذاق اڑاتا مگر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ تا۔ جب دیو کا ظلم و ستم بڑھنے لگا تو اس نے سوچا کہ اس دیو کو جنگل سے بھگانا چاہیے بس وہ ترکیب سوچنے لگا۔ آخر کار ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ دیو عقل سے کورے یعنی بے وقوف ہوتے ہیں۔ اس نے لوگوں سے کہا ”میں دیو سے مقابلہ کروں گا۔“ لوگوں نے اسے منع کیا کہ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو دیو کے پاس غیبی طاقت ہے۔ وہ تمھاری چٹنی بنا دے گا۔ شریف نے جواب دیا ”اگر اس کے پاس غیبی طاقت ہے تو میرے پاس اللہ کی طاقت ہے۔“ دوسرے دن اس نے دیو کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی۔ ایک تھیلے میں اس نے رسی، خنجر، دہی کی ہانڈی رکھی۔ ایک پنجرے میں ایک چڑیا کو بند کیا اور جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ اسے دیکھ کر دیو بہت خوش ہوا کہ ایک موٹا تازہ شکار خود چل کر میرے پاس آ گیا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا ”اے چھوکرے میں تجھے کھاؤں گا۔“ شریف بولا ”ضرور کھانا مگر پہلے میری چار شرطیں پوری کرو۔“ دیو نے غصے سے کہا ”میں کسی شرط کا پابند نہیں پہاڑ اور گلہری کا مقابلہ ہے۔“ شریف بولا ”میں تیرا غرور خاک میں ملا دوں گا۔“ دیو بولا ”اچھا کمبخت آ دیکھتا ہوں میں تجھ میں کتنا دم ہے۔“ شریف بولا ”اچھا چلو پہلے یہ تو بتاؤ کہ تمھاری دم کیسی ہے؟“ دیو نے اپنی دُم لہرا کر کہا ”یہ دم نہیں موت کا کوڑا ہے جس کے سر پر مارتا ہوں تو چیں بھی نہیں بولتا۔“ شریف نے تھیلے میں سے رسی نکال کر دیو کے سامنے پھینک دیا اور بولا ”دیکھ میری دُم جس کے سر پر لہراتی ہے موت کا پھندا بن جاتی ہے۔“ دیو رسی دیکھ کر ڈر گیا۔ شریف بولا ”اچھا تو اپنے دانت دکھاؤ۔“ دیو نے دانت دکھاتے ہوئے کہا ”میرے دانت خنجر کی طرح مڑے اور تیز ہیں جس کی گردن پر وار کرتا ہوں ٹلّی کھینچ کر خون پی جاتا ہوں۔“ شریف نے اس کے سامنے اپنا خنجر پھینکتے ہوئے کہا

"یہ رہا میرا دانت کھیرا ککڑی کی طرح گردن کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔" دیو ڈر گیا۔ شریف بولا "اچھا ذرا اپنا تھوک تو دکھاؤ۔" دیو نے منہ بھر کر تھوکا۔ شریف نے دہی کی ہانڈی پھینکتے ہوئے کہا "دیکھ میرا تھوک کتنا گاڑھا ہے۔" اب تو دیو بہت گھبرایا۔ شریف بولا "اچھا اب آخری شرط بھی سن لو۔" ایک پتھر اٹھا کر جتنی دور پھینک سکتے ہو پھینکو۔" دیو نے پتھر اٹھا کر خوب دور پھینکا ایک چٹان سے ٹکرا کر گرا جس کی آواز سنائی دی۔ شریف نے پنجرے سے چڑیا نکالی اور اڑا دیا۔ دیو کان لگا کر سنتا ہی رہا مگر کچھ سنائی نہ دیا۔ شریف بولا "دیکھ ظالم تو چاروں شرطیں ہار گیا۔ اب میں تجھے کھاؤں گا۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ جلدی بتا کدھر سے کھاؤں۔ پیر کی طرف سے شروع کروں کہ سر کی طرف سے۔" دیو نے روتے ہوئے کہا "اے میرے باپ میری جان بخش دے تو بہت بڑا خزانہ دوں گا۔" شریف بولا "مجھے حرام کی دولت نہیں چاہیے۔ مجھ کو اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ ہے۔" دیو نے حضرت سلیمانؑ کی قسم کھا کر کہا "میری جان بخش دو تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جنگل کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا اور کسی پر ظلم نہیں کروں گا۔" دیو نے حضرت سلیمانؑ کی قسم کھائی تھی اس لیے شریف نے اسے آزاد کر دیا۔ دیو دُم دبا کر ایسا بھاگا کہ پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ شریف نے لوگوں کو خوش خبری سنائی۔ اب شریف بھی شرارتیں چھوڑ کر شریف بن گیا۔

■

Ansari Noor Afshan
C/o Sajid Akhtar Firdousi
Ghar No: 1464, Gate No.: 3
Kumbhar Wada
Malegaon - 423203 Distt. Nasik (Maharashtra)

■ **انس منصور**

لالچی آدمی

بہت پہلے کی بات ہے۔ کسی گاؤں میں صرف ایک دکان تھی۔ لوگ وہاں سے سامان لے کر جاتے تھے۔ دکاندار کے دل میں لالچ پیدا ہوئی۔ اس نے سوچا کہ گاؤں میں صرف میری ہی دکان ہے کیوں نہ سارے سامان کے دام بڑھا دوں۔ میرا بہت فائدہ ہوگا۔ ایسا سوچ کر اس آدمی نے سبھی چیزوں کے دام بڑھا دیے۔ گاؤں والے بڑھی ہوئی قیمت کی وجہ سے پریشان تھے۔ پھر ایک شخص نے نئی دکان کھولی۔ وہ شخص ایماندار تھا۔ پھر لوگ اس آدمی کی دکان سے سامان خریدنے لگتے ہیں۔ پرانی دکان کا مالک بعد میں بہت پچھتایا اور اس کا سارا سامان خراب ہو گیا اور اس کا بہت نقصان ہوا۔ اس لیے لالچ نہیں کرنا چاہیے۔

■

Anas Mansoor Thokan
At Post: Panderi
Tal: Mandangad - 415214

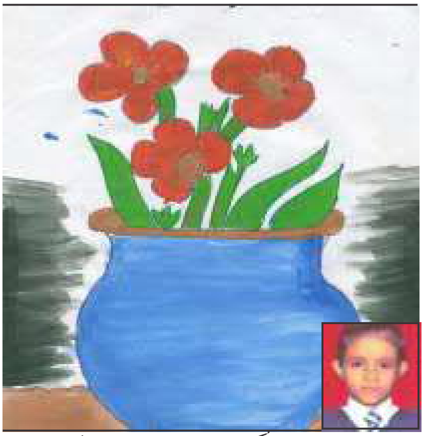

ادیبہ ریحان، درجہ چہارم، سیکشن بی، سنوے سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

پربھ جوت سنگھ، درجہ چہارم، سیکشن بی، سنوے سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

رضوانہ یونس منیر، درجہ ششم، ضلع پریشد اردو اسکول سبھاش نگر

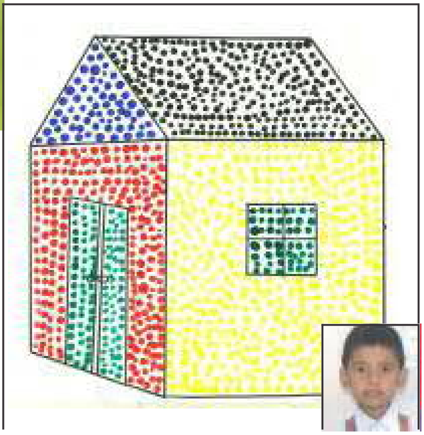

فراز خان وسیم احمد خان، درجہ چہارم، سیکشن بی، سنوے سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

خوشی، درجہ چہارم، سیکشن بی، سنوے سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

سمرن دیپ کور، درجہ چہارم، سیکشن بی، سنوے سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

Facebook اردو فیس بک

میں نے جب سے 'بچوں کی دنیا' پڑھا ہے تب سے مجھے اس کا ایسا شوق چڑھا کہ میں ہر ماہ اس کا انتظار کرتا ہوں۔ اس کی کہانیاں، لطیفے، اقوال، بہت اچھے لگتے ہیں اور ننھے فنکار بھی اچھا کالم ہے۔

پٹھان رشاد مظہر، فاروقی اردو اسکول سرسالہ، ضلع بیڑ، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' ایک ایسی دنیا ہے جو مذہبی سائنسی، اخلاقی، تہذیبی و ثقافتی معلومات کا خزانہ ہے۔ دنیا کی رنگ برنگی ڈیجیٹل تصاویر، دل کو چھو لینے والی کہانیاں اور نظمیں اردو سے محبت کو مزید پروان چڑھاتی ہیں۔ فیس بک جیسا کالم اظہار خیال کی ترغیب دیتا ہے۔ کہکشاں ذہنی آزمائش، ننھے فنکار، بہت ہی اچھے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ایک گلدستہ کسی نے ہمیں تحفہ میں دیا ہو۔

انعم جہاں یونس خان، ضلع پریشد اردو اسکول دھانورہ تعلقہ چوپڑہ، جلگاؤں

میرا نام محمد سعدان ہے۔ 'بچوں کی دنیا' بہت اچھا رسالہ ہے۔ میں اس کو قریب ایک سال سے پڑھ رہا ہوں۔ یہ عمدہ رسالہ ہے۔ یہ رسالہ میرے دوست نے خریدنے کے لیے کہا تھا۔ اس میں کہانی، ہنسی غبارے اور قسط وار ناول بہت پسند آتے ہیں۔

محمد سعدان

میں جامعہ اثریہ دارالحدیث مئوناتھ بھنجن ضلع مئو میں درجہ چہارم میں پڑھتا ہوں۔ مجھے آپ کی میگزین 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ اس کے تمام مضامین کہانیاں، بچوں کا فیس بک، لطیفے، نظمیں بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ میرے اس خط کو اپنے کالم میں شامل کرلیں۔ شکریہ!

صبغت اللہ، مکان نمبر 8 محلّہ پورہ باز، شاہی عیدگاہ، مئوناتھ بھنجن، اترپردیش

میرا نام تابیہ طارق ہے میں 'بچوں کی دنیا' کئی مہینوں سے پڑھتی آرہی ہوں۔ بچوں کی دنیا اردو پڑھنے والے بچوں کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ یہ اردو رسالہ بچوں کے ساتھ ساتھ بڑے بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ میں ہر مہینے 'بچوں کی دنیا' اپنے سب گھر والوں کو پڑھ کر سناتی ہوں۔ سب گھر والے بڑی دلچسپی سے سنتے ہیں اور بے حد پسند کرتے ہیں۔ مجھے اس رسالے کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے کیونکہ 'بچوں کی دنیا' کا ہر شمارہ عمدہ اور معیاری ہوتا ہے۔

تابیہ طارق، درجہ 8، مارس اسکول آف ایجوکیشن، فردوس کالونی، عیدگاہ، سرینگر، کشمیر

میرا نام فہد نصیر ہے۔ درجہ چہارم کا طالب علم ہوں، مجھے 'بچوں کی دنیا' پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میں نے اس سے بہتر رسالہ کبھی نہیں دیکھا۔

فہد نصیر، F-145، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

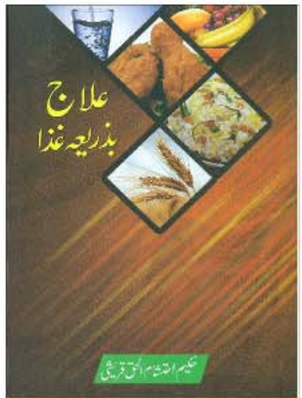

صفحات:415، قیمت:185 روپے

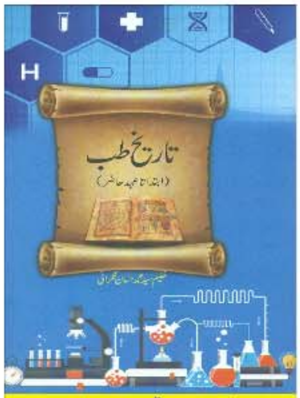

صفحات:496، قیمت:220 روپے

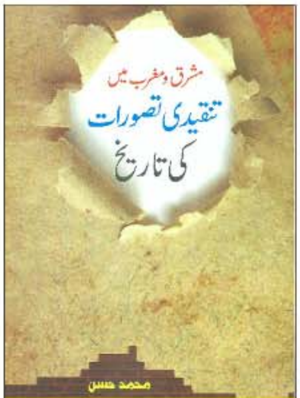

صفحات:373، قیمت:168 روپے

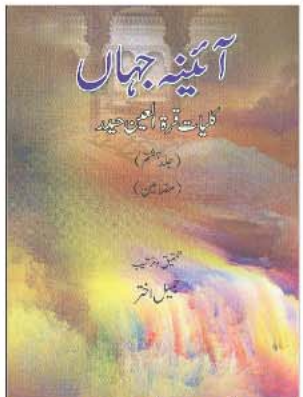

صفحات:262، قیمت:130 روپے

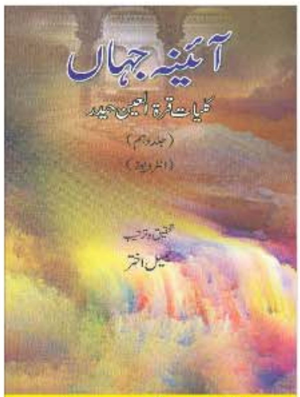

صفحات:245، قیمت:128 روپے

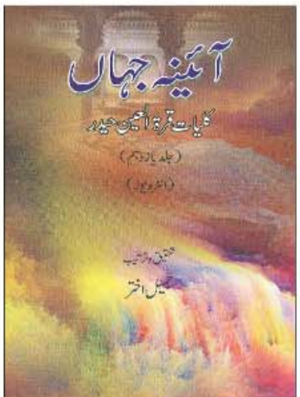

صفحات:258، قیمت:132 روپے

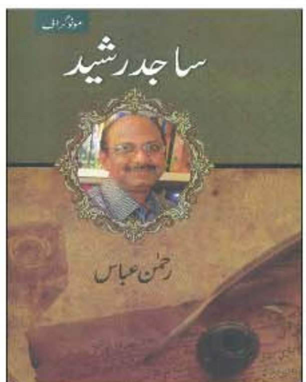

صفحات:123، قیمت:77 روپے

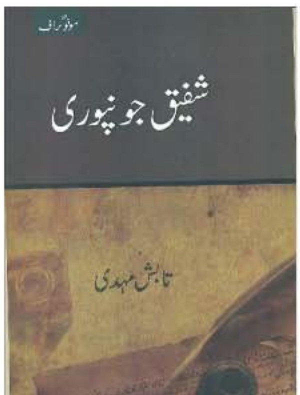

صفحات:120، قیمت:75 روپے

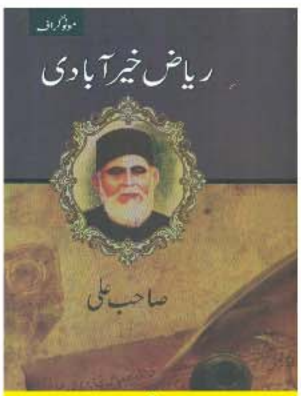

صفحات:215، قیمت:75 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی - 110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, January 2017, Vol. 05, Issue: 1
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/12/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

صفحات:112، قیمت:25 روپے

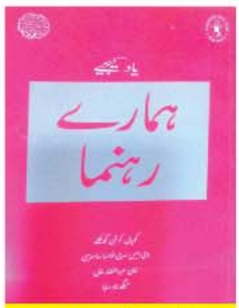

صفحات:108، قیمت:55 روپے

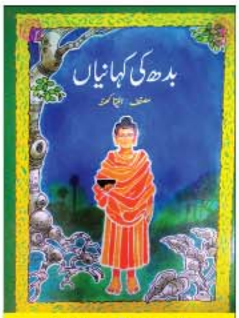

صفحات: 80، قیمت: 65 روپے

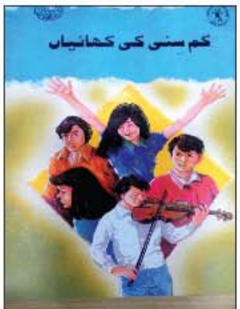

صفحات:80، قیمت:35 روپے

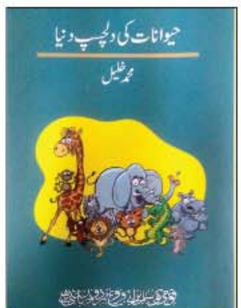

صفحات:83، قیمت:24 روپے

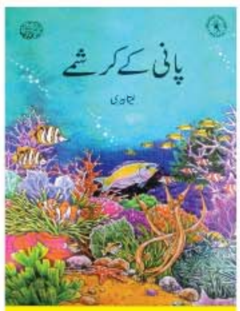

صفحات:96، قیمت:70 روپے

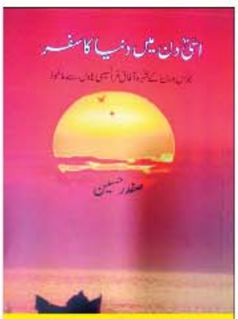

صفحات:170، قیمت:35 روپے

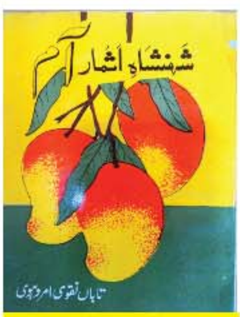

صفحات:164، قیمت: 11 روپے

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.